کے تحت عربی حروف کی علامات اور ترتیب و تعداد میں مناسب کمی بیشی کر لی گئی۔ پورے افریقہ اور وسط ایشیا کی متعدد زبانیں اس طرح خط نسخ میں لکھی جاتی رہی ہیں اور بعض اب بھی لکھی جاتی ہیں۔ برصغیر میں مغربی پاکستان کی تمام علاقائی زبانیں بلوچی ' سندھی ' پشتو اور پنجابی (ملتانی) اب تک عربی حروف بخط نسخ میں ہی لکھی جاتی ہیں اور ہماری قومی زبانیں اردو اور بنگالی بھی خط نسخ سے نا آشنا نہیں ہیں۔ قرآن مجید کا خط ہونے کی وجہ سے عربی حروف کا بخط نسخ ہر جگہ (مشرق و مغرب میں) متعارف ہونا ہماری ثقافت میں ایک پائیدار یک جہتی کی زندہ علامت ہے جس کے ساتھ ہمارے شاندار ماضی کی یادیں اور ہمارے روشن مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں۔

پاکستان میں خط نسخ کا روشن مستقبل

مئی ۱۹۶۴ء میں صدر پاکستان کراچی میں اردو کالج کی تاسیس کے موقع پر قوم کے سامنے حروف القرآن یعنی خط نسخ کے اپنانے کی ایک تجویز پیش کی۔ اس کے بعد گورنر کانفرنس کے فیصلے کے مطابق مغربی پاکستان میں ایک خط نسخ کی سرکاری کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی نے اگست ۱۹۶۵ء میں اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کی جس کے مطابق مغربی پاکستان میں ۱۹۷۰ء تک چار مراحل میں خط نسخ کو اپنانے اور مقبول عام بنانے کا ایک ٹھوس پروگرام پیش کیا گیا جس پر اس وقت عمل ہو رہا ہے۔ خط نسخ کو اپنانے کا یہ فیصلہ صرف تعلیمی اور فنی لحاظ سے ہی نہیں ملی لحاظ سے بہت مفید دور رس نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے۔ مغربی پاکستان کی علاقائی زبانیں تو پہلے ہی سے خط نسخ میں لکھی جا رہی تھیں اب اردو کے لئے بھی اسے اختیار کر لیا گیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں اگرچہ سرکاری طور پر خط نسخ کو اپنانے کی کوئی تحریک نہیں ہوئی تاہم ڈھاکہ میں انجمن حروف القرآن اس سلسلے میں بہت مفید کام کر رہی ہے۔ ممتاز اینڈ کمپنی چندر باڑی نجشی

Marfat.com

بازار ڈھاکہ نے دینیات کی متعدد کتابیں بنگلہ بخط نسخ میں شائع کی ہیں۔ یہ کوشش برآ امید افزا ہے بدقسمتی سے اس وقت کچھ ایسی فضا تیار کر دی گئی ہے کہ سیاسی اور انتظامی سطح پر بنگالی زبان کے لئے عربی حروف بخط نسخ اپنانے کی کوئی سکیم نافذ کرنا غیر موزوں ہے لیکن اگر انجمن حروف القرآن ڈھاکہ کی طرح تعلیمی ثقافتی اور عوامی ادارے اور جماعتیں اس مقصد کے لئے کام کریں اور حروف القران (جو بحالت موجودہ خط نسخ کے لئے زیادہ بہتر اور موزوں نام ہے) کو اپنانے کی مساعی جاری رکھیں تو نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کی زبانوں کے لئے اس رسم الخط کو اختیار کر لینے کے امکانات ہی نہیں شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

Marfat.com

صلیبیوں اور صہیونیوں کی قرآن دشمنی

"پرانے جال' نئے ہتھکنڈے' بدلتے طریق واردات"

ایک جائزہ ☆

اگر ہم اسلام کے سابقونِ اولون کے قبول اسلام کے واقعات پڑھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں جو عوامل لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور دعوت اسلام کی حقانیت اور صداقت کا قائل کر کے شرح صدر کے ساتھ دائرہ اسلام میں لانے کا موثر باعث بنے' ان میں سر فہرست دو عامل تھے ۔ ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور پاکیزہ کردار --- دوسرا قرآن کریم کا بلند پایہ ادبی اسلوب اور اس کی فطری تعلیمات ۔

اور عصر نبوت سے لے کر آج تک یہی دو عامل-- محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن--- سعید روحوں کو اسلام کی طرف لانے کا باعث بنتے رہے ہیں۔اور اس حقیقت کی تصدیق آج بھی ایشیا اور افریقہ کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے بہت سے پڑھے لکھے اشخاص کے قبول اسلام کے واقعات سے ہوتی ہے۔(۱)

غالباً اسلام میں قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرکزی اہمیت

☆ حکمۃ قرآن' مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور' مارچ' ۱۹۹۷ء (یہ مضمون کی پہلی قسط ہے ، حافظ صاحب مرحوم اس کو مکمل نہ کر سکے)

کی بناء پر ہی دشمنان اسلام نے ہمیشہ ان دو ـــــ اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب ـــــ کو ہی اپنے معاندانہ شبہات و اعتراضات اور جاہلانہ تعصبات و خرافات کا ہدف بنایا ہے۔

عصر نبوت خصوصاً کی دور میں معاصر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور سیرت پر تو کہیں انگلی تک رکھنے کی پوزیشن میں نہ تھے کہ نبوت سے پہلے سب آپ کو صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ تاہم نبوت اور دعوت اسلام کے بعد انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر' کاہن' مسحور' مجنون' کذاب اور مفتری تک کہنے اور مشہور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ـــــ اور خود قرآن کریم کو اساطیرالاولین (دیو مالائی کہانیاں) کاہنانہ سجعات' شاعرانہ تخیلات و تعلیمات اور خود ساختہ یا آموختہ افترات ہی سمجھتے اور کہتے رہے۔ بلکہ قرآن میں اپنی مرضی کی بعض تبدیلیوں کا مطالبہ کرنے کے علاوہ شور و غوغا اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے قرآن کی دعوت ـــــ بلکہ عبارت تک ـــــ کو لوگوں کے کانوں تک پہنچنے میں رکاوٹ ڈالتے رہے' پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے خلاف معاصر کفار کی ان معاندانہ باتوں اور مخالفانہ کوششوں کا ذکر خود قرآن کریم میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ ان ہی میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو گزشتہ چودہ سو برس سے دشمنان اسلام عبارات و الفاظ اور اسالیب بیان بدل بدل کر دہراتے چلے آئے ہیں۔

عہد نبوی کے اختتام تک اندرون عرب طاقتور یہودی قبائل اپنے اسلام دشمن سازشی کردار کے باوجود (بلکہ اسی کے باعث) مغلوب ہو چکے تھے اور اس وقت کی سب سے بڑی صلیبی حکومت (بزنطینی رومی امپائر) کے ساتھ جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور آگے چل کر خلافت راشدہ کے آخر تک اس بزنطینی سلطنت کے بیشتر ایشیائی اور افریقی مقبوضات اسلامی حکومت (خلافت) کے زیر نگیں آگئے تھے اور بچی کھچی بزنطینی (مسیحی) حکومت بھی دفاعی پوزیشن میں آگئی

Marfat.com

تھی ـــ دوسری طرف ایران کی (مجوسی) شہنشاہیت (جو صدیوں بزنطینی سلطنت کے مد مقابل دوسری عالمی طاقت رہی تھی) کا بھی نام ونشان مٹ گیا اور اس کے تمام علاقے بھی اسلامی حکومت میں شامل ہوگئے۔

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام عرب سے نکل کر ایرانی (مجوسی) اور بزنطینی (صلیبی) سلطنتوں کے ان سابقہ مقبوضات (جو اب اسلامی مفتوحہ علاقے بنے) میں اس تیزی اور قوت سے پھیلا کہ جزیرہ نمائے عرب کے بعد یہی خطے آج تک مسلم اکثریت کے علاقے اور اسلامی تہذیب وثقافت کے مرکز چلے آتے ہیں۔

اسلام کے سیاسی غلبہ کے اس اولین دور میں مجوسی ' مسیحی اور یہودی عناصر اسلام کے خلاف کسی جارحانہ اقدام سے عاجز رہ گئے تو ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ' مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے نت نئے جال پھیلانا شروع کردیئے' جن کا مقصد مسلمانوں کی صفوں میں سیاسی افتراق وانتشار کے بیج بونا تھا--- جس کی ایک مثال (بظاہر نو مسلم) یمنی یہودی عبداللہ بن سبا کی وہ شیطانی چالیں تھیں ' جن کے نتائج بالا خر خلافت راشدہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

پھر جب اس افتراق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف سیاسی گروہوں شیعہ' سنی ' خوارج وغیرہ نے مذہبی فرقوں کی شکل اختیار کی تو اختلافات میں جذباتی شدت پیدا ہونے لگی ـــ اور اس کے ساتھ ہی مختلف مذاہب وملل کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جو دانستہ یانادانستہ' شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے سابقہ معتقدات وخیالات کے اثرات بھی ساتھ لائے اور یوں نئے فتنوں کے دروازے کھلنے کا سبب بننے لگے ۔ مثلاً:ـــ

مجوسی زندقیت اور باطنیت نے زیادہ تر قرآن کے متشابہات کی فتنہ انگیز

تاویل کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے موزوں پایا۔ اور یہودی و مسیحی عناصر نے اپنے سابقہ "علم کتاب" کی آڑ میں قرآن مجید کی مجمل کی تفصیل کے لئے اسرائیلیات کو رواج دینا شروع کیا۔

اور باہم مخالف ومتضاد نظریات کے حاملین نے اپنی اپنی تائید کے لئے اگرچہ عموماً قرآن ہی کی آیات سے دلائل ڈھونڈنے کے لئے ایک طرح سے تحریف معنوی کا سہارا لیا—— تاہم حفاظت متن قرآن کا جو نظام بذریعہ حفظ قرآن عہد نبوت سے اور بذریعہ رسم قرآن عہد عثمانی سے قائم ہو چکا تھا (جس پر ابھی آگے کچھ مزیدبات ہوگی) اس نظام کی وجہ سے ایسے لوگوں کے لئے (اپنے مزعومات کے مطابق) قرآن میں کسی کی تحریف لفظی کی نقب لگانے کی گنجائش بلکہ امکان تک نہ تھا۔ اس لئے اس مقصد (تائید ی دلائل کے حصول) کے لئے ایسے عناصر پیغمبرؐ اور صحابہؓ کی طرف منسوب روایات بھی گھڑنے لگے، یعنی وضع حدیث کا کام بھی شروع ہو گیا۔

نئے مسلمان ہونے والے لوگوں میں زیادہ تر عربی زبان کی اس مہارت اور طبعی ذوق سے محروم تھے جو قرآن کے مخاطبین اولین کا طرۂ امتیاز تھا۔ عربی زبان کے اس "نیم پختہ "علم کی وجہ سے اور اپنے اندر کے پوشیدہ فساد انگیز جراثیم کے زیر اثر نصوص کے صحیح فہم سے قاصر رہ کر یاتو ان نصوص پر اعتراض کرنے لگے اور یا پھر ان نصوص کو من مانے معنی پہنا نے لگے۔

اس طرح مختلف اسباب وعنا صر اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے —— بلکہ دین کی اصل بنیاد یعنی خود قرآن کریم کو طعن وتشکیک کا ہدف بنانے کی راہ ہموار کرنے لگے۔ اور اگر چہ علمائے حق کی ایک کثیر تعدا د نے ہمیشہ ایسے لوگوں کی مفسدانہ تاویلات، موضوع روایات، ہر قسم کے اعتراضات وشبہات اور باطل مزعومات کے عقلاً نقلا مد لل علمی اور کافی و شافی جواب دے کر اتمام حجت کردیا ہے (۲) تاہم فلسفہ کذب و افترء اور فن افواہ سازی کے اس اصول

Marfat.com

کے تحت کہ "بکثرت جھوٹ پھیلاؤ۔ ہر ایک جگہ اور ہر ایک کے آگے پھیلاؤ۔ تمہارے جھوٹ کو باور کرنے کچھ لوگ مل ہی جائیں گے 'ورنہ کم از کم سچ اور حقیقت کے بارے میں شک وشبہ تو ضرور پیدا ہوگا"۔ ویسے بھی بقول کسے " جھوٹ آدھی دنیا کا سفر طے کر لیتا ہے جبکہ سچ ابھی تسمے باندھ رہا ہو تا ہے"۔ اس اصول کے تحت دشمنان اسلام و قرآن ہمیشہ ایک ہی قسم کی باتوں کو بار بار بکثرت تکرار کے ساتھ نت نئی مغالطہ آمیزی(Fallacy) اور وسوسہ انگیز دلیل بازی(Sophistery) کے ذریعے کم علم اور ضعیف الایمان لوگوں کو ذہنی خلفشار اور نفسیاتی قلق واضطراب میں مبتلا کر کے راہ حق سے گمراہ کر تے چلے آئے ہیں جس کا کچھ تذکرہ آگے آئے گا (اور دراصل تو یہی --- تذکرہ اور جائزہ ہی --- زیر نظر سطور کا مقصد تحریر ہے)۔

مختلف سیاسی گروہ بندیوں اور دیگر عوامل کی وجہ سے (جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے) امت میں فتنہ و گمراہی اور سازشوں کے نت نئے دروازے کھل جانے کے باوجود--- ابتدا میں اسلامی حکومت اور معاشرے کے دبدبے کی وجہ سے (کم از کم پہلی صدی ہجری کے آخر تک) کسی کو قرآن پر کھلم کھلا زبان طعن کھولنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ پھر جب ایسے حکمران آئے جن کی ترجیحات میں کرسی یا اقتدار کو اولیت اور دین وقرآن کو ثانوی حیثیت دی جانے لگی تو قرآن پر طعن کرنے والوں کے حوصلے بڑھنے لگے ۔ غالبًا قرآن کریم پر کھلم کھلا زبان طعن دراز کرنے والا پہلا شخص الجعد بن درہم (ت۱۲۴ھ) تھا جو آخری اموی خلیفہ مروان الحمار (ت۱۳۲ھ) کا اتالیق بھی رہ چکا تھا اور کچھ عرصہ عراق کا گورنر بھی رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص طالوت نامی کسی یہودی کی صحبت بد سے متاثر تھا اور اس کی گمراہیوں میں سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس نے قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار کیا اور کہا قرآن جیسی کتاب (بلحاظ زبان واسلوب) لکھنا ناممکن نہیں (۳)۔

Marfat.com

عباسی دور میں تفرقہ اور فرقہ واریت بہت بڑھ گئی اور کلامی تنازعات کی گرمی انتہا کو چھونے لگی ۔امت کئی فرقوں میں تو بٹ ہی گئی تھی ' ہر فرقہ میں سے بھی متعدد گروہ فرقہ در فرقہ کی صورت میں در آمد ہوئے۔ مثلاً معتزلہ کے تیس کے قریب گروہ ' شیعہ کے بائیس کے قریب گروہ اور خوارج کے سات سے زیادہ گروہ بن گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک گروہ دوسرے فرقوں کے علاوہ خود اپنے ہی فرقہ کے دوسرے گروہوں کی تکفیر بھی کرتا تھا۔ ان فرقوں اور ان کے گروہوں کے بارے میں تفصیلات "الملل والنحل" کی قسم کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ان مختلف گروہوں اور فرقوں نے اپنی اپنی اغراض کے لئے قرآن کریم کو بھی طعن وتشکیک کا نشانہ بنایا۔ مثلاً شیعہ کے بعض غالی گروہوں نے قرآن میں تبدیل وتحریف اور کمی یا زیادتی کی باتیں کیں (۴) اور جن کا بہت سے اہل علم امامیہ نے انکار کیا ہے(۵)۔ خوارج کا ایک گروہ (جن کو عجاردۃ کہتے ہیں) سورۂ یوسف کو قرآن کا حصہ تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس طرح بعض ملاحدہ اور اہل زیغ کو قرآن کریم میں " لحن" (لغوی یا نحوی اغلاط)اور بعض کو کاتبوں کی "لغزشیں" نظر آنے لگیں--- اور اس مقصد کے لئے ایسی خود ساختہ روایات تراشی اور پھیلائی گئیں جو آج تک دشمنان قرآن کے لئے نمونہ اور سہارا چلی آتی ہیں(٦)۔

قرآن کے علم میں طعن وتشکیک کی ان ساری کوششوں اور روایتوں کی اشاعت کے باوجود کسی فرقے یا گروہ کو اپنی دل خوش کن روایات اور مزعومات کے علی الرغم اپنا الگ نسخہ قرآن (مصحف) تیار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی ' حالانکہ اس وقت عالم اسلام چین سے اندلس (سپین)تک اور کوہ قاف (کاکیشیا) سے بحرہند کے ساحلوں تک پھیل چکا تھا اور بعض خاص علاقوں میں بعض خاص فرقے واضح اکثریت میں تھے' مثلاً عمان(مشرقی عرب) میں ہمیشہ خوارج کا زور

Marfat.com

رہا ہے اور ایران کے بیشتر علاقوں میں ہمیشہ شیعہ اکثریت رہی ہے۔ اور اس زمانے میں اگر کسی دور افتادہ علاقے میں کوئی اور مختلف نسخہ قرآن تیار کردیا جاتا تو دور دراز کے اسلامی علاقوں پر—— اس زمانے کے وسائل اطلاعات و مواصلات کے مطابق—— تو شاید خبر بھی نہ ہوسکتی۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی فرقے یا گروہ کو اپنے مزعومات (اگر کچھ تھے بھی) کے مطابق اپنا کوئی الگ نسخہ قرآن تیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی یا خیال تک نہ آیا۔ اور فحوائے آیت قرآنی" انا نحن نزلنا الذکرو انا له لحافظون" یہ بات قرآن کریم کے منجانب اللہ محفوظ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

اور یہ قرآن کریم کا ایک زندہ اور دائمی معجزہ ہے کہ امت میں اتنے اور ایسے فرقوں کے ہوتے ہوئے جن میں باہمی تکفیر کی حد تک نفرت اور عناد موجود تھا—— اور جن میں سے بعض تو قرآن کریم کی صحت اور حفاظت تک کے بارے میں طعن وتشکیک پر مبنی روایات وحکایات کے علمبر دار بھی تھے—— ایسے حالات میں تو بقول "الرافعی" قرآن کریم کی کوئی آیت بلکہ لفظ بھی تحریف وتبدیل سے بچ نہ سکتا' چہ جائیکہ پوری امت اور اس کے (باہم متخاصم اور متنازع) تمام فرقے—— ایک ہی آخری رسول ﷺ کی طرح—— ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ایک ہی قرآن پر متفق اور متحد چلے آتے ہیں(۷)—— اور اس حقیقت کا قائل بعض غیر مسلم مستشرقین کو بھی ہونا پڑا ہے (۸)

قرآنی نص(Text) کی اس لاجواب اور بے مثال توثیق وتوحید (صحت اور وحدت۔) کا سبب وہ بے خطا(Fool Proof) اور خود کاری کی حد تک (Automatic)جامع اور مربوط نظام حفاظت ہے جس کی بنیاد تین بیک وقت (Simaltaneous)جاری اور نافذ العمل اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ یعنی (۱) حفظ (یاد کر لینا) (۲) کتابت (لکھ لینا) اور (۳) اس محفوظ ومکتوب کی مسلسل تلاوت (پڑھتے رہنا)(۹)—— اور کسی بھی عبارت یا کتاب کی صحت وحفاظت کی اس

Marfat.com

سے بڑی ضمانت اور گارنٹی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے یاد بھی کر لیا جائے' لکھ بھی لیا جائے اور مسلسل پڑھنا بھی جاری رہے۔ اور صرف قرآن کریم ہی کے بارے میں سہ گانہ نظام حفاظت موجود ہے۔

قرآن کریم دنیا بھر کی واحد دینی کتاب ہے جو بتمامہ مکمل یعنی پوری کی پوری کتاب حفظ اور زبانی یاد کرلینے کا قریباً پیشہ ورانہ نظام(Guild) کی طرح کا وسیع رواج بطور ایک مستقل ادارہ(Institution) کے قائم چلا آتا ہے--- اور یہی وجہ ہے کہ متن قرآن کی صحت کے بارے میں محض تحریر اور کتابت پر بھی اعتماد نہیں کیا جاتا' بلکہ اصل اعتماد ہمیشہ حفظ اور استظہار قلب (Memorization)پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مکتوبہ (یا مطبوعہ) نسخہ قرآن کی صحت کی پڑتال ہمیشہ حفاظ سے کرائی جاتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ حفاظت قرآن کا--- حفظ 'کتابت اور تلاوت پر مشتمل--- یہ سہ گانہ نظام عہد نبوت سے--- بلکہ ابتدائے نبوت اور آغاز وحی سے--- شروع ہوا۔ ہر نئی وحی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے خود حفظ کر لیتے تھے--- اس کے بعد اسے آگے لکھانے ' پڑھانے اور حفظ کرانے کا کام چلتا تھا۔ جو صحابہؓ آنحضرت ﷺ سے براہ راست بذریعہ تلقی وسماع (سن کر سیکھ لینا) قرآنی وحی کو یاد کر لیتے تھے وہ پھر آگے اسے اپنے حلقے (احباب یااہل وعیال)میں اسی طرح آگے پھیلاتے۔بعض دفعہ آنحضرت ﷺ خاص صحابہ کو اس کام پر مامور فرمادیتے تھے' جس کی ایک مثال حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو قبل از ہجرت تعلیم قرآن کے لیے مدینہ بھیجنا ہے۔ بعد از ہجرت مدینہ میں نو وارد مسلمانوں کو (بذریعہ کتابت و حفظ) قرآن سیکھنے کے لئے حفاظ صحابہ کے ذمے لگادیا جاتا تھا۔ بعض دفعہ آنحضرت ﷺ صحابہ سے حفظ کردہ قرآن خود بھی سنتے تھے۔ بعض صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ نے ' آنحضرت ﷺ کے سامنے کئی دفعہ قرآن پڑھا (۱۰) اور جب آخر پر عرب

Marfat.com

کے مختلف قبائل اور علاقوں پر اسلام پھیلا تو سب سے پہلے وہاں معلم قرآن صحابہ بھیجے جانے لگے۔

اور اس کے ساتھ ہی سب مسلمانوں کو نمازوں کے اندر اور نمازوں سے باہر بھی قرآن کی بقدر استطاعت باقاعدہ اور روزانہ تلاوت کا حکم تھا۔ پھر عام روزانہ ـــــ اور رات دن گھر اور مسجد میں ـــــ بکثرت تلاوت کے علاوہ (جس کا عالم یہ تھا کہ مسجد نبوی کے علاوہ مسلمانوں کے گھروں میں سے تلاوت قرآن کی گونج اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند ارتعاش کی آواز سنائی دیتی تھی) یہ بھی ثابت ہے کہ بعض صحابہ ایک دن میں ـــــ اس وقت تک نازل شدہ ـــــ پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ جس کی بناء پر آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دینا پڑا کہ کوئی فرد واحد تین یا پانچ دن سے کم میں ختم قرآن مکمل نہ کرے۔

اس کے علاوہ رمضان المبارک میں پورے قرآن کا اعادہ اور حفظ قرآن کی صحت کی پڑتال اور چیکنگ کا عمل بھی عہد نبوی سے ہی شروع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر رمضان میں ـــــ اس وقت تک کے نازل شدہ ـــــ تمام قرآن کا جبریلؑ کے ساتھ عرضہ (دورہ) اور زندگی کے آخری رمضان میں دو دفعہ دورہ کیا' (جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے ـــــ اور جس میں مشہور صحابی زید بن ثابتؓ ـــــ جو خود بھی حافظ قرآن تھے ـــــ آپ کے ساتھ شامل تھے)۔ یہ سب باتیں تواتر سے ثابت ہیں۔

اس آخری عرضہ سے قریباً پانچ ماہ بعد آپؐ کی وفات ہوئی اور اس عرصے میں قرآن کا بہت کم حصہ نازل ہوا ـــــ اور اس مدت میں آپ ـــــ بلکہ زید بن ثابتؓ بھی اسی آخری عرضہ کے مطابق ہی قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ اور یقیناً بہت سے دیگر حفاظ صحابہ نے بھی اپنا علم قرآن تازہ (up-to-date) کر لیا ہو گا ـــــ اور اسی بناء پر آگے چل کر عہد صدیقی میں جمع و تدوین قرآن کا کام اور پھر عہد عثمانی میں مصاحف عثمانی کی تیاری کا کام زید بن

Marfat.com

ثابتؓ سے ہی کرلیا گیا اور صحیح قراءات کی تعیین میں بھی عرضہ اخیرہ کی قراءت کو ترجیح دی گئی' جیسا کہ آگے ذکر ہو گا۔

اور پھر عہد نبوت سے لے کر آج تک دنیا بھر کے اسلامی ممالک اور معاشروں میں حفاظت متن قرآن کا یہی (روزانہ اور) سالانہ عمل پورے ذوق و شوق سے جاری چلا آتا ہے—— بلکہ چونکہ مسلمانوں کے لئے قرآن کی کتابت اور تلاوت کی طرح حفظ قرآن بھی فرض کفایہ ہے (یعنی اگر کسی بستی یا علاقے میں کوئی آدمی بھی قرآن حفظ نہیں کرتا تو سب گنہگاروں ہوں گے)—— اور اس (حفظ قرآن) کا مقصد تواتر روایت کا تسلسل اور تحریف و تبدیل سے حفاظت ہے—— اس لئے نزول قرآن کے ابتداء سے لے کر آج تک غالباً کوئی وقت —— دن یا رات—— کم از کم عالم اسلام میں ایسا نہیں گزرا جس میں قرآن کریم کی کتابت' حفظ اور تلاوت کا کام جاری نہ رہا ہو۔

دنیا کی کسی مذہبی کتاب کی اس طرح باقاعدہ سالانہ مکمل دوہرائی (اعادہ) —— بذریعہ حفظ تو کجا بذریعہ تلاوت و قراءت بھی—— نہیں کی جاتی' جب کہ قرآن کریم کی خاطر سال کا پورا ایک مہینہ (رمضان) اس کام (مکمل اعادہ بذریعہ حفظ) کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔

حفاظت قرآن کے اس نظام کی بدولت کتابت مصاحف میں کسی تحریف یا دانستہ تبدیلی کے عدم امکان کے باوجود (۱۱) نا دانستہ اور سہواً کسی املائی غلطی کے بشری امکان کو تو رد نہیں کیا جا سکتا' لیکن کتابت مصاحف میں اس قسم کی کوئی اتفاقیہ غلطی بھی کبھی زیادہ عرصہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی—— اور اسی لئے مسلم معاشروں میں یہ بات ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ "کوئی نسخہ قرآن (مصحف) اغلاط سے یکسر مبرا اور خالی نہیں ہوتا مگر قرآن کبھی غلط نہیں پڑھا جاتا"—— اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس کی روزانہ تلاوت لاکھوں بلکہ کروڑوں ایسے ناظرہ خواں

Marfat.com

مسلمان بھی کرتے ہیں جو خود اپنی زبان میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے--- اور خود حفاظ قرآن میں سے بھی خاصی بڑی تعداد اس قسم کے " ناخواندہ" بلکہ بسا اوقات " نابینا" لوگوں کی ہوتی ہے جن کی زبانوں پر قرآن صحت قراءت کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

اور خود قرآن کریم کی اس ناظرہ خوانی (Visual lection) کی تدریس اور تعلیم کی نگرانی کا کام بھی زیادہ تر حفاظ قرآن ہی کرتے ہیں۔ اور اس عمل کے ذریعے زیر تلاوت مصاحف کی تصحیح کتابت کا کام بھی خود بخود جاری رہتا ہے--- جب کہ حفظ قرآن میں حفاظ کی ممکنہ غلطیوں کی تصحیح کا کام ہر سال دوران رمضان (قرآن سننے سنانے سے) تکمیل پذیر ہوتا رہتا ہے۔

اور یوں حفظ ' کتابت اور تلاوت کے اس مسلسل اور متواتر عمل کی بدولت قرآن کریم کو ابتداء سے لے کر آج تک بلکہ تا قیامت ابدی حفاظت کی ایسی ضمانت اور گارنٹی حاصل ہو گئی ہے جس کے سامنے کمپیوٹر بھی ہیچ ہے۔ آج اگر بفرض محال کسی آفت کی وجہ سے دنیا بھر کے ہر ایک مذہب کی بنیادی دینی کتاب کے تمام کے تمام نسخے تلف اور نیست و نابود ہو جائیں یا کر دیئے جائیں --- تو قرآن اور صرف قرآن ہی کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ صرف ایک نہیں بلکہ --- مراکش سے انڈونیشیا تک --- متعدد اور مختلف ملکوں میں بے شمار ایسے لوگ (حفاظ) مل کر دنوں یا ہفتوں کے اندر ہر طرح سے مکمل مصاحف (قرآنی نسخے) تیار کر لیں گے ' بلکہ ایسے نسخے رسم و ضبط کی صحت کے ساتھ غالبًا ایسے تمام مستند اختلافات قراءات کے بھی (جن کا ذکر ابھی ہو گا) آئینہ دار ہوں گے' کیونکہ جس اسلامی ملک میں جو خاص قراءت متداول ہے اس کے حفاظ بھی بکثرت موجود ہیں۔

اور یہاں اس --- بظاہر تعجب انگیز --- حقیقت کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حفاظت متن قرآن --- بذریعہ حفظ و کتابت و تلاوت --- کے اس حیرت

Marfat.com

انگیز حد تک مربوط نظام میں قراء ات کے بعض اختلافات اور تنوعات بھی عہد نبوی سے قائم اور شامل چلے آتے ہیں ' جن کی اصل تو بتواتر ثابت حدیث "احرف سبعة" ہے (جس پر مفصل بحث علم القراء ات کا موضوع ہے) اور بلحاظ نوعیت ان اختلافات قراء ات میں سے بعض کا تعلق کلمات کی بناء و اشتقاق کے (صرفی و نحوی) تغیرات سے بھی ہوتا ہے اور زیادہ تر کا تعلق نطق و تلفظ کی خصوصیات ' لہجاتی امتیاز اور طریق اداء سے ہوتا ہے۔

یہ ثابت ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بہت سے کلمات کو ایک سے زائد صورت میں پڑھا ہے (۱۲) جس سے صوتی (لہجاتی) اور معنوی تنوع پیدا ہوتا ہے۔ مزید برآں آپ نے احرف سبعہ والے اصول کے تحت ہی سہولت کی غرض سے مختلف قبائل کو اپنے اپنے لہجات (dialects) کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دی۔ اور اسی نبوی تعلیم اور نبوی اجازت کے باعث عہد نبوی ﷺ میں بعض صحابہؓ کے انفرادی طور پر تیار کردہ مصاحف میں اس قسم کے اختلافات قراء ات موجود تھے جو آگے ان صحابہ کے تلامذہ میں منتقل ہوئے۔

پھر جب اسلامی فتوحات کی وسعت کے ساتھ اصل تعلیم کردہ متنوع قراء ات کے ساتھ ' اجازت یافتہ تنوعات اور بعض دیگر اسباب (مثلاً نو مسلم عناصر کی جہالت یا فساد نیت وغیرہ) کی بناء پر یہی اختلافات قراء ات اغلاط اور نزاع کی صورت اختیار کرنے لگے [خیال رہے کہ خود صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے مطابق اس قسم کے اختلافات پر جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر آج قراء ت حفص (جو زیادہ رائج ہے) کے مطابق قرآن پڑھے کسی آدمی کے سامنے کوئی قاری کسی دوسری مستند قراء ت مثلاً ورش ' قالون یا الدوری (جن کی قراء ات مختلف افریقی ممالک میں متداول ہیں) وغیرہ کی قراء ات کے مطابق تلاوت کرے تو کوئی اہل علم تو اسے غلط نہیں کہے گا مگر کسی کم علم

Marfat.com

آدمی کا رد عمل ناگوار ہو سکتا ہے]تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں--- آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف پندرہ برس کے اندر(۱۳) مشہور صحابی حذیفہؓ بن الیمان کی تجویز پر--- اور بقول شیعہ حضرت علیؓ کے مشورے پر (۱۴) اور صحابہ کے جم غفیر کے اجماع سے--- اور آنحضرت ﷺ سے براہِ راست یا آپ کی زندگی میں مکمل قرآن حفظ کر لینے والے ماہرین اور اصحاب اختصاص کی ایک کمیٹی کی نگرانی میں آنحضرتؐ کے ساتھ عرضہ اخیرہ میں شامل ہونے والے صحابی حضرت زید بن ثابت (جو عہد نبوی میں کتابت وحی کا کام کرنے کے علاوہ عہد صدیقی میں حفظ و کتابت کی مدد سے ترتیب تلاوت کے مطابق قرآن کریم کی بصورت مصحف جمع و تدوین کے بھی انچارج رہے تھے) کے ہاتھوں --- اور مصحف صدیقی ہی کی روشنی میں--- سات یا آٹھ مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) تیار کرا کر تمام اہم مرکزی اسلامی شہروں میں بھجوائے گئے۔ بلکہ ہر ایک مصحف کے مطابق پڑھانے اور شفوی (زبانی) تعلیم دینے کے لئے ایک ایک حافظ قرآن معلم بھی بھیجا گیا --- اور اس وقت سے آج تک دنیا بھر میں متداول مصاحف ان مصاحف عثمانی ہی سے بذریعہ حفظ و کتابت نقل در نقل ہوتے چلے آتے ہیں ۔ (۱۵)

ان مصاحف عثمانی میں (جن کی تیاری کا قصہ انتہائی اختصار کے ساتھ اوپر مذکور ہوا ہے) قراءات کے تمام مستند بالتواتر اور عرضہ اخیرہ میں ثابت اختلافات اور تنوعات کو شامل کر لیا گیا تھا جس کے لئے بیشتر مختلف فیہ کلمات کو تو ایک مخصوص محتمل القراء تین طریق املاء کے مطابق لکھا گیا۔ اور جن کلمات میں ایسا ممکن نہ تھا ان کو کسی مصحف میں ایک قراءت کے مطابق اور کسی دوسرے مصحف میں دوسری قراءت کے مطابق لکھا گیا۔ اور ان تمام مصاحف میں اختیار کردہ طریق املاء کو رسم عثمانی یا رسم مصحف کہا جاتا ہے۔

اس رسم کی بنیاد صحابہؓ کی اکثریت سے بتواتر ثابت قراءات ہی تھیں۔ یعنی قراءات اصل اور رسم اس کے تابع تھا اور اشتمال قراءات کی بناء پر اس

Marfat.com

رسم کو نقط و شکل (اعجام و حرکات) سے خالی رکھا گیا تھا۔۔۔ تاہم اس رسم کو پڑھنا محض لغوی و نحوی امکانات پر نہیں چھوڑ دیا گیا تھا بلکہ اسے قرآن کریم کی عہد نبوی سے رائج شفوی (زبانی) تعلیم--- بذریعہ تلقی و سماع --- اور صرف سنت سے ثابت قراءات کے تابع کر دیا گیا تھا۔ اور ہر مصحف (نسخہ) کے ساتھ ایک قاری معلم بھی اسی لئے بھیجا گیا تھا۔ اور ان ہی معلم قراء کے ذریعے مختلف شہروں میں مستند اختلافات قراءات میں سے--- کہیں ایک قراءت اور کہیں دوسری قراءت کا رواج ہوا۔ یوں اس رسم کی بدولت اور اس کی تعلیم کو ثابت بالسند قراءات کا پابند کر دینے سے اختلافات قراءات محدود ہو گئے۔

یوں احرف سبعہ کے تحت اجازت یافتہ--- یا بعض صحابہ کے انفرادی طور پر تیار کردہ مصاحف کی بناء پر تعلیم کردہ --- یا دیگر اسباب کے نتیجے میں پیدا شدہ تمام غیر مستند اور غیر معتمد علیہ قراءات کو صحابہ کے اجماعی فیصلے سے، بطور قرآن لکھنا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ تاہم مصاحف عثمانی کی تیاری سے قبل تک رونما ہونے یا رواج پانے والی یا بعض صحابہ کے انفرادی مصاحف میں وارد مگر بلحاظ اجماع ضعیف اور شاذ قراءات کو بھی بعض دوسرے مقاصد مثلاً تفسیری، لغوی اور نحوی اغراض کے لئے استعمال کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اور ان اغراض کے لئے امت کے اہل علم ہمیشہ ان قراءات کا ذکر اپنے اپنے فن کی کتابوں میں کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے کہ خبر واحد ہونے (اور لہٰذا قرآن سے خارج ہونے) کے باوجود ان میں لغت و ادب اور صرف و نحو کے نقطۂ نظر سے ایک قوت استشہاد موجود ہے۔ بلکہ قراءت (اور اس کے نتیجے میں) کتابت کے ان تمام اختلافات کی بلحاظ سند (اس لئے کہ ان کی بنیاد روایت ہی ہے اور روایت کی قوت یا ضعف اسناد پر منحصر ہوتا ہے) دقت نظر کے ساتھ درجہ بندی (مثلاً متواتر، مشہور، ضعیف اور شاذ بلکہ موضوع تک کی صورت میں) کر لی گئی ہے۔

قوت سند اور تواتر روایت سے ثابت شدہ اختلافات و تنوعات--- جن

Marfat.com

کو صحابہ کے جم غفیر کے اجماع سے صحیح قرآنی قراءات کا درجہ دیا گیا--- اور جو مصاحف عثمانی میں شامل تھیں--- اور جو اس وقت سے آج تک مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) میں لکھی پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی تمام قراءات حفظ قرآن کے لحاظ سے نمایاں طور پر نامور صحابہ اور تابعین کے تلامذہ میں سے حجاز ' عراق اور شام (جہاں مصاحف عثمانی کے ہمراہ قاری معلمین بھیجے گئے تھے) کے منتخب ' معروف اور مستند ترین قراء کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں ' جنہوں نے زندگی بھر صرف قراءات کی تعلیم و تعلم کو ہی اپنا اختصاص (Specialization) بنایا (اور دیگر علوم مثلاً حدیث و فقہ وغیرہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے) اور جن کے کثیر التعداد اساتذہ اور تلامذہ کے وسیع سلسلے مشہور و معروف ہیں۔ ایسی تمام قراءات ان نامی قراء کے ناموں کی نسبت سے (جو نسبتِ اختصاص ہے نہ کہ نسبت ایجاد) باہم متمیز اور منتخب و ممتاز قراء کی تعداد کی مناسبت سے بلحاظ عدد القراءات السبع (سات قراءات) کہلاتی ہیں اور ان میں مزید مشہور قراء کے اضافے سے مستند قراءات کی تعداد دس (القراءات العشر) بھی شمار ہوتی ہے اور یہ تمام قراءات حفظ و کتابت قرآن میں مستعمل اور متداول ہیں۔ (۱۶)

اور یہ بات خصوصاً قابل ذکر ہے کہ جس طرح مختلف فرقوں کے باوجود قرآن کریم ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رہا ' اسی طرح--- بلکہ اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان سات یا دس قراء کے مستند اختلافات ' جو ان قراء کے چوٹی کے تلامذہ سے روایات (کی تدوین بصورت کتب قراءات) کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ ایسے تمام قراءاتی اختلافات و تنوعات بھی امت کے تمام فرقوں کے نزدیک مسلم اور معتبر ہیں۔ مثلاً شیعہ کے نزدیک بھی یہی قراء اور ان کی قراءات مستند ہیں۔ (۱۷)

اور امت کے اہل علم جس طرح قرآن کریم کے ان تمام مسلمہ و مستند اختلافات قراءات سے بخوبی واقف ہیں جو عہد نبوی سے ثابت ہیں اور

جن کو مصاحف عثمانی کے رسم میں شامل کر لیا گیا تھا اور جو بعد میں سات یا دس مشہور قراء کی نسبت سے مدون کر لی گئیں ' اسی طرح اہل علم مسلمان ان تمام بلحاظ سند ضعیف (اور لہٰذا بطور قرآن متروک) اختلافات قراءات کے وجود سے بھی آگاہ ہیں جو مختلف اسباب کی بناء پر مصاحف عثمانی کی تیاری سے پہلے تک رواج پا چکی تھیں ' بلکہ جن کا وجود ہی مصاحف عثمانی کی تیاری کا باعث بنا —— اور یوں اس لحاظ سے بھی قرآن کریم دنیا بھر کی واحد دینی کتاب ہے جس کی عبارات میں اگر کسی بھی کلمہ کے تلفظ یا املاء میں کوئی بھی (مستند یا غیر مستند) اختلاف ہوا ہے تو اس کا بھی مکمل ریکارڈ موجود ہے (۱۸) اور اس ریکارڈ کی بلحاظ ثقاہت اور استناد درجہ بندی بھی کر لی گئی ہے۔

کتب قراءات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سات (یا دس) مسلمہ اور متداول قراءات کے اختلافات (جو بلحاظ نوعیت کلمات کی بناء اور اعراب سے لے کر ان کے نطق اور طریق اداء تک پر مشتمل ہیں) قرآن کریم کے بارہ سو سے (۱۲۰۰) سے زائد کلمات کے بارے میں واقع ہوئے ہیں (۱۹) جب کہ ان مسلمہ قراءات سے خارج اختلافات (جو آحاد و شواذ پر مشتمل ہیں) قرآن کریم کے دس ہزار سے زائد کلمات (اور مقامات) کے بارے میں بیان ہوئے ہیں(۲۰) اور ان مختلف فیہ کلمات کی اتنی زیادہ تعداد کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے متعدد کلمات قرآن کریم میں بکثرت تکرار کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ صرف سورۃ الفاتحہ کی مثال لیجیے' اس میں معروف و مستند سات یا دس قراءات کے مطابق کل چار کلمات کے بارے میں اختلاف قراءات ہے ' جب کہ متروک القراءۃ اختلافات (آحاد و شواذ) انیس کلمات کے بارے میں مذکور ہیں۔ پھر بعض دفعہ ایک ہی کلمہ کی متعدد (مقبول یا مردود) قراءات آئی ہیں ۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ ہی میں سات یا دس مسلمہ قراءات کے مطابق لفظ "مالك" کی دوسری صحیح ثابت بالسنہ قراءت تو "ملك" ہے ' جب کہ خارج از سبعہ قراءت (آحاد و شواذ) کے

Marfat.com

مطابق صرف اسی ایک کلمہ (مالک) کی پندرہ مزید صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

اور یہی وہ کثیر الاختلافات قراء ات تھیں جو مصاحف عثمانی کی تیاری سے پہلے مصاحف میں بطور قرآن پڑھی جاتی رہیں (۲۱) اور جن میں غلط اور صحیح قراء ات خلط ملط ہونے لگی تھیں اور جن پر کم علم عامتہ الناس جھگڑنے لگے تھے۔ مصاحف عثمانی میں سند کی قوت کی بناء پر ثابت تمام صحیح قراء ات کو رسم المصحف کے ذریعے (ایک ہی یا متعدد مصاحف میں) شامل کر لیا گیا۔ تاہم چونکہ اس رسم کو پھر بھی (بوجہ عدم نقط و اعجام) غلط بھی پڑھے جانے کا امکان موجود تھا اس لئے اس کا پڑھنا (ساتھ بھیجے گئے) قاری اساتذہ کی شفوی تعلیم کے ذریعے تابع سنت کر دیا گیا۔ جو آگے چل کر بذریعہ ضبط (حرکات) مزید متعین ہوگیا۔ تاہم قرآن کی درست قراء ت و تلاوت کی تعلیم کے لئے استاد کی شفوی تعلیم ہمیشہ ناگزیر سمجھی گئی ہے ' کیونکہ قراء ت و تجوید (خصوصا طریق نطق و اداء) میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو بذریعہ تحریر و کتابت بیان ہی نہیں کی جا سکتیں ' بلکہ ان کی تعلیم و تفہیم صرف استاد کی شفوی تعلیم سے ہی ممکن ہے ' مثلاً روم ' اشمام و اختلاس ' امالہ ' تفخیم ' ترقیق ' تسہیل اور بین بین وغیرہ۔

اس طرح مصاحف عثمانی کے ذریعے صحت قراء ات کی بنیاد " رسم کی موافقت" اور " سند کی قوت" کو قرار دیا گیا جس سے ایک تیسری بنیاد "عربیت" (لغوی نحوی درستی) خود بخود حاصل ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ (اور ان کی قائم کردہ کمیٹی) کا مقصد تمام مختلف قراء ات (غلط یا صحیح) کو ختم کر کے صرف ایک ہی قراء ت (اور طریق نطق و اداء) کو رائج کرنا نہیں تھا اور ایسا کرنا ان کے بس سے باہر اور ناممکن بھی تھا--- اس لئے کہ بعض اختلاف قراء ات تو عہد نبوی بلکہ تعلیم نبوی سے ثابت تھے۔ حضرت عثمانؓ کا اصل کام امت کو قرآن کریم کے لئے ایک ہی طریق املاء (رسم) پر جمع کرنا تھا--- اور اسی لئے یہ مجمع علیہ رسم آج تک (رسم عثمانی) بھی کہلاتا ہے--- اور یہی رسم تمام مستند اختلافات

Marfat.com

قراءات کا جامع بھی تھا--- اور اسی لئے آج تک کتابت مصاحف میں اس طریق املاء (رسم المصحف یا رسم عثمانی) کی بھی ایسی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے کہ اس میں کسی نبرہ (دندانہ) تک کی کمی بیشی نہیں کی جاتی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا مستند یا غیر مستند قراءات کے علاوہ بھی--- تفسیر اور لغات و اعراب کی کتابوں میں متعدد مقامات پر کسی قرآنی لفظ یا عبارت کی بحث میں اکثر یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر اس پر (لفظ یا عبارت) کو یوں (یعنی ایک دوسرے طریقے پر) پڑھا جائے تو بھی بلحاظ عربیت بالکل درست ہو گا (اور معنی میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا)--- مگر ایسا کیا نہیں جاتا اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ قراءات کی بنیاد تو روایت سنت اور قوت سند پر ہے (نہ کہ لغوی نحوی امکانات پر)--- حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ خود قرآن کریم میں (بلحاظ قراءت و کتابت) دو طرح آیا ہے تو بھی جہاں جس طرح آیا ہے وہاں اسی طرح لکھا اور پڑھا جائے گا--- مثلاً " یتذکرون " تو "یذکروں" اور " تتنزل" کو "تنزل" بھی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن کریم میں ان افعال کی دونوں صورتیں مختلف جگہ وارد ہوئی ہیں ' مگر جہاں جو لفظ جس طرح آیا ہے وہاں اسی طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

اور اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی عبارت پر ایک معنی و مفہوم والے متبادل کلمات کا بیک وقت استعمال (تعداد قراءات) بذات خود کوئی خرابی نہیں بلکہ خوبی ہے اور یہ زبان کی قوت اتساع اور صاحب کلام کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے اور اسی لئے یہ چیز اعلیٰ ادبی نصوص کی ایک خصوصیت شمار ہوتی ہے--- اور قرآن کریم کی حد تک تو یہی چیز (جسے ہم اختلاف قراءت کہتے ہیں) بلاغت کی انتہا ' ایجاز (قلت الفاظ مع کثرت معانی) کا جمال اور اعجاز کا کمال ہے کہ اتنے اختلافات و تنوعات کو باوجود کہیں معانی میں تضاد یا تناقض نہیں۔ بلکہ اس (اختلاف قراءات) کے بعض مزید لغوی اور شرعی منافع اور فوائد

Marfat.com

بھی ہیں جن کو کتب قراءات میں بیان کیا گیا ہے۔ (۲۲)

رسم عثمانی کے اندر محدود اور بلحاظ روایت مستند قراء اتی اختلافات (جو سات یا دس مشہور قراءات پر مشتمل اور ان کی اصل ہیں) ہمیشہ سے اہل علم (قراء) کے مطالعہ و دراسات اور ان کے عملی اطلاقات اور شفوی (زبانی) تعلیمات کا موضوع رہے ہیں۔ بلکہ مختلف عوامل کی بنا پر بعض علاقوں میں بعض خاص قراء کی روایات قراءات زیادہ مقبول اور رائج ہوئیں اور وہاں کے مصاحف بلحاظ رسم و ضبط اسی خاص (متداول) قراءت کی روایت کے مطابق لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً تمام ایشیائی ممالک (اور افریقہ میں سے مصر میں روایت حفص (عن عاصم الکوفی) عام ہوئی۔ مغربی اور شمالی افریقہ میں ورش اور قالون (عن نافع المدنی) کی روایتوں کو پذیرائی ملی۔ سوڈان اور بعض دیگر علاقوں میں الدوری (عن ابی عمروالبصری) کی روایت کو فروغ حاصل ہوا--- اور قلمی دور کے بعد آج کے دور طباعت میں بھی ان خطوں کے مصاحف وہاں کی رائج و متداول روایت قراءت کے مطابق ہیں۔

بلکہ قراءت و کتابت کلمات میں بھی ان مستند اختلافات و تنوعات کے علاوہ بعض دوسرے توقیفی (آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے) امور مثلاً اسماء سور اور تعدادِ آیات میں بھی اختلاف موجود ہے۔ مثلاً قرآن کریم کی سولہ کے قریب سورتوں کے ناموں میں بھی اختلاف ہے۔ اسی طرح سورتوں کی آیات کی گنتی میں بھی بوجہ روایت اختلاف ہے--- اور یہ تمام مختلف النوع مگر مستند اور معتمد علیہ اختلافات اہل علم میں معروف ہیں۔ چنانچہ اگر کسی ایک مصحف (نسخہ قرآن) میں مثلاً ایک سورت کا نام "المومن" لکھا ہو اور کسی دوسرے علاقے کے مصحف میں اسی سورت کا نام "غافر" درج ہو یا دو مصاحف میں بعض سورتوں کی آیات کی گنتی میں فرق ہو، مثلاً کسی مصحف میں سورۃ البقرہ کی ایک آیت کا نمبر ۲۱۹ ہوا جب کہ کسی دوسرے مصحف میں اسی آیت کا نمبر ۲۱۷ دیا گیا ہو--- بلکہ اگر

Marfat.com

کسی ایک مصحف میں سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۳۵ (بلحاظ کوفی گنتی) میں کلمہ "منھا" (واحد مونث غائب ضمیر کے ساتھ) لکھا ہے جب کہ کسی دوسرے (خلاقے کے) مصحف میں اسی آیت کا یہی لفظ بصورت "منھما" (تثنیہ غائب کی ضمیر کے ساتھ) لکھا ہو--- یا مثلاً کسی ایک مصحف میں سورۃ الزخرف کی (بلحاظ کوفی گنتی) آیت نمبر ۴۱ میں لفظ "تنشتھیه" لکھا ہو جب کہ کسی (دوسری قراءت والے) مصحف میں اسی آیت کا یہی لفظ "تشتھی" (آخری ضمیر منصوب کے حذف کے ساتھ) لکھا ملے، تو کسی بھی اہل علم مسلمان کے لئے ایسے مسلمہ، معتبر اور متداول اختلافات کسی شک و شبہ تو کجا تعجب کا باعث بھی نہیں بن سکتے۔ البتہ کم علم مسلمانوں کو ایسے مواقع پر بشاید کتابت کی غلطی کا احساس ہو، یا پھر غیر مسلموں کے نام نہاد سکالرز ("اہلِ علم") کو ان اختلافات میں بھی فتنہ تشکیک کے لئے کوئی کرن نظر آئے۔

اسی طرح جب کوئی اہل علم مسلمان تفسیر، ادب، لغت یا نحو کی کسی کتاب میں کسی کلمہ کے "یکے از قراءات" مذکور ہونا پڑھتا ہے جب کہ اس قراءت کا کسی بھی مصحف کے متن میں کہیں وجود نہیں ملتا تو اسے کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ تمام اہل علم مسلمان اس قسم کی غیر مستند (اور شاذ) قراءات کے وجود سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں حفظ و تحفیظ قرآن کے متعلق اور پھر اختلافات قراءات کی حقیقت اور کیفیت کے بارے میں قدرے مفصل بات (تمہیداً) اس لئے کی ہے کہ آگے چل کر ہم صلیبیوں اور صہیونیوں (مسیحیوں اور یہودیوں) کی قرآن دشمنی کے جن پہلوؤں کا ذکر کریں گے ان کا ان دو موضوعات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ لوگ قرآن میں طعن و تشکیک کے بارے میں جو کچھ گردوغبار اڑاتے ہیں اس میں حفاظت قرآن بذریعہ حفظ و استظہارِ قلب کا ذکر ہی گول کر جاتے ہیں اور کتابت قرآن کے احوال تک محدود رہتے ہیں اور اس میں بھی عموماً

Marfat.com

اپنی دینی کتابوں (اناجیل یا بائبل) کی (ابتدائی) صدیوں بعد ہونے والی تدوین و تکمیل پر ہی قیاس کرنے کے دائرے سے باہر نہیں نکل پاتے۔ اس کا سبب نیت کی خرابی ' ہٹ دھرمی اور اندھا تعصب بھی ہو سکتا ہے۔ اور شاید اس میں اس حقیقت کا بھی دخل ہے کہ وہ لوگ دینی کتابوں کے بارے میں حفاظت متن کے لئے کتابت کے ساتھ ساتھ حفظ و تلاوت متن کے متواتر اور مسلسل عوامی عمل کی افادیت تو درکنار اس کے تصور سے بھی نا آشنا ہیں--- جس کا ذاتی تجربہ راقم السطور کو پنجاب یونیورسٹی کے ایک انگریز مسیحی پروفیسر کے ساتھ بعض قرآنی آیات کے مطلوبہ تمام حوالے بغیر انڈیکس محض حافظہ کی مدد سے زبانی بتانے پر ہوا--- اور اسی جہالت کے بنا پر ان لوگوں نے محرف مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) تک شائع کر ڈالے' جس کا ابھی آگے ذکر آئے گا۔ [خیال رہے قرآن کریم تک تو براہ راست رسائی ابتداء ہی سے ہر مسلمان کے لئے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ فرض عین تھی۔ جب کہ یہود و نصاریٰ میں بائبل یا اناجیل کا پڑھنا پڑھانا ایک اقل قلیل گروہ تک محدود تھا۔ اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ صلیبی اور صہیونی قرآن پر بات کرتے وقت اپنے اس تاریک اور محدود ذہنی خول سے باہر نہیں نکل سکتے]۔

اسی طرح یہ لوگ ہماری ہی کتابوں سے ڈھونڈ کر غیر مستند قراء ات کو ہمارے نام نہاد مغرب کے تعلیم یافتہ مگر اپنے علوم اور ثقافت سے نا بلد لوگوں کے سامنے یوں پیش کرتے ہیں گویا کوئی نیا علمی انکشاف کر رہے ہیں جو مسلمانوں سے پوشیدہ چلا آتا ہے یا شاید انہوں نے اسے عمداً چھپا رکھا ہے۔

Marfat.com

حواشی

۱- Islam our choice کی قسم کی کتابوں میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ ریاض سے نکلنے والے ماہنامہ "الفیصل" کے ہر ایک شمارے میں "الطریق الی اللہ" کے عنوان سے کسی ایک ایسے نو مسلم ... مرد یا عورت ... کا واقعہ مذکور ہوتا ہے۔

۲- سب سے پہلے جن اہل علم نے قرآن کے خلاف مختلف مطاعن اور شکوک و شبہات کے رد میں قلم اٹھایا ان میں نمایاں نام ابن قتیبہ (عبداللہ بن مسلم) الدینوری (ت ۲۷۶ھ) کا ہے۔ دیکھیے ان کی کتاب "تاویل مشکل القرآن" ص ۲۵-۶۵

۳- دیکھئے الرافعی 'اعجاز القرآن' ص ۱۶۱ تا ۱۶۸ اور مالک بن نبی' الظاهرة القرآنية' ص ۴۰

۴- اس کے بعض نمونوں کا ذکر دکتور لبیب السعید نے اپنی کتاب "الجمع الصوتی الاول للقرآن" میں کیا ہے' دیکھئے کتاب مذکور' ص ۳۴۹ تا ۳۵۶

۵- مثلاً دیکھئے الطبری' تفسیر مجمع البیان' ج۱ ص ۳۰۔ عبداللہ دراز' المدخل الی القرآن' ص ۳۹-۴۰۔ لبیب السعید' الجمع الصوتی الاول' ص ۳۵۴-۳۵۷

۶- اس قسم کے مطاعن کی تفصیل اور ان کے رد کے لئے دیکھئے دکتور لبیب السعید کی "الجمع الصوتی الاول" ص ۳۲۵-۳۵۷

۷- دیکھئے الرافعی' اعجاز القرآن' ص ۴۲

۸- دیکھئے عبداللہ دراز "المدخل الی القرآن" ص ۳۹-۴۰ اور معجم القراءات القرآنیه (احمد مختار و عبدالعال) ج۱' ص ۴-۵

۹- یاد رہے کہ قراءت (reading) خاموش بھی ہو سکتی ہے۔ مگر تلاوت (recitation) کا مطلب ہی اتنی اونچی آواز سے پڑھنا ہے جسے کم از کم پاس بیٹھا آدمی سن سکتا ہو اور یہ چیز تلفظ اور قراءت کی درستی کا کام بھی دے سکتی ہے۔

۱۰- دیکھئے الزنجانی "تاریخ القرآن" ص ۳۵-۴۸' الطبری "معجم البیان" ج۱' ص ۳۱

۱۱- اگرچہ بعض اندلسی اسلام نے ہمارے زمانے میں اس خباثت یا حماقت کی کوشش کی

Marfat.com

ہے جیسا کہ اس کا بھی آگے اسرائیلی صیہونی سازشوں کے بیان میں محرف نسخہ قرآن کی اشاعت کا ذکر آئے گا۔

۱۲- جس کی ایک واضح مثال نمازوں میں روزانہ پڑھی جانے والی سورۃ... الفاتحہ... میں "مالک" اور "ملک" کی قراءت ہے۔

۱۳- جیسا کہ ابن حجر نے تصریح کی ہے 'دیکھئے' معجم القراءات' ج۱' ص ۶۱ بحوالہ فتح الباری

۱۴- دیکھئے الزنجانی' تاریخ القرآن' ص ۶۵-۶۸

۱۵- معروف فرانسیسی مستشرق لوبلوا (leblois) نے اپنی کتاب "قرآن اور عبرانی تورات" (le Koran la Bible Hebriaque) میں مسلمانوں کے عہد ابی بکرؓ اور پھر عہد عثمانؓ میں وفات نبوی کے بعد بہت جلد قرآن جمع کر لینے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کونسا مسیحی یہ تمنا نہ کرے گا کہ کاش مسیحؑ کے (معاصر) تلامذہ بھی مسیحؑ کے فوراً بعد (اسی طرح) اس کی تعلیمات کو جمع اور مدون کرنے کا کام کر جاتے (دیکھئے عبداللہ دراز "المدخل الی القرآن" ص ۲۶)

۱۶- ان مشہور قراء کے نام مع نسبت و سن وفات یوں ہیں (۱) ابن عامر شامی ۱۱۸ھ' (۲) ابن کثیر مکی ۱۲۰ھ' (۳) عاصم کوفی ۱۲۸ھ' (۴) نافع مدنی ۱۶۹ھ' (۵) ابو عمرو بصری ۱۵۴ھ' (۶) حمزہ کوفی ۱۵۶ھ' (۷) الکسائی کوفی ۱۸۹ھ' (۸) ابو جعفر مدنی ۱۳۰ھ' (۹) یعقوب الحضرمی ۲۰۵ھ' اور (۱۰) خلف کوفی ۲۲۹ھ...

۱۷- مثلاً دیکھئے الطبرسی' مجمع البیان' ج۱' ص ۲۳-۲۵' الزنجانی' تاریخ القرآن' ص ۸۰-۸۶ اور الخوئی "البیان" ص ۱۴۰-۱۶۰

۱۸- دیکھئے الطبرسی' مجمع البیان' ج۱' ص ۳۰-۳۱ بحوالہ السید الشریف المرتضیٰ

۱۹- جن آیات میں یہ اختلافات واقع ہوئے ہیں ان کی اجمالی فہرست کے لئے دیکھئے ابن مجاہد کی "کتاب السبقہ" ص ۷۰۵ تا ۷۷۸ اور ابن مہران کی "الغایہ فی القراءات العشر" ص ۳۰۵-۳۴۷

۲۰- دیکھئے' معجم القراءات القرآنیہ' آٹھویں جلد کے آخر پر

۲۱- الابانہ للمکی' ص ۸۰

۲۲- مثلاً دیکھئے "معجم القراءات القرآنیہ" ص ۱۲۳-۱۲۴' تقریب النشر لابن الجزری ص ۵۹-۶۱

✿✿✿

Marfat.com

مقدمہ لغات و اعراب قرآن

الحمد للّٰہ وحدہ ۔ والصّلوٰۃ والسّلام علی عبدہ و رسولہ سیدنا محمد النّبی الامّیّ الذی لا نبّی بعدہ۔ وعلی آلہ واصحابہ ومن دعا بدعوتہ وتمسّک بسنّتہ الی یوم الدّین۔

قرآن کریم کی عظمت وفضیلت اور اس کی اہمیت کسی تعریف یا تعارف کی محتاج نہیں۔

مسلمانوں کے لئے---قرآن عظیم کی فضیلت کا مقام یہ ہے کہ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا وہ ابدی کلام اور سرمدی پیغام ہے جو خیر الانام محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی روشن دلیل اور معروف ترین معجزہ ہے--- اور یہ ربّ العالمین احکم الحاکمین اللّٰہ عزّوجلّ کی طرف سے خاتمِ النّبیّین رحمۃ لّلعلمین محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم پر بذریعہ روح الامین نازل کردہ وہ کتاب مبین ہے جو ھدی لّلمتّقین ہے... جو برہان و نور ہے اور جو حبل اللّٰہ المتین ہے....

اور غیر مسلموں کے لئے---اس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی انقلاب آفرینی اور اس کی کایا پلٹ "کیمیا گری" ان کے نزدیک بھی مسلّمہ ہے۔ یہی وہ کتاب ہدایت ہے جس نے عربوں کو گمنامی اور گمراہی کے گڑھے سے نکال کر شہرت و حکومت اور رفعت و عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

۱- حکمۃ قرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، جنوری، فروری ۸۹ء

Marfat.com

قرآن کریم کی اس عظمت اور اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

غیر مسلم اپنی اغراض کے لئے اپنے آپ کو مطالعہ قرآن پر مجبور پاتے ہیں۔ مسلمانوں کی سربلندی کے اصل "قرآنی راز" سے آگاہی حاصل کرنے پر ہی وہ مسلمانوں کو اس "نسخہ کیمیا" سے غافل کر کے دوبارہ قعر مذلت میں گرانے کا کوئی مؤثر پروگرام بنا سکتے ہیں۔ یہ قرآنی تعلیمات کی انقلابی اہمیت اور نفوسِ انسانی میں اس کی تاثیر کا خوف ہی تو تھا جس کی بنا پر کفارِ مکہ نے قرآن کریم کے بارے میں "---والغوا فیه لعلکم تغلبون" (حٰمٓ السجدۃ۔۲۶) کی وہ پالیسی اپنائی تھی جس میں آج بھی اسلام کے دشمنوں کو اپنے مذموم عزائم کے لئے امید موہوم کی کچھ کرن دکھائی دیتی ہے۔

مسلمانوں پر تو قرآن حکیم پر ایمان لانے کے ساتھ ہی اس کے حقوق اربعہ---تعلّم، تدبّر، تعمیل اور تبلیغ... کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

ان میں سے پہلا حق "تعلّمِ قرآن" یعنی اسے سیکھنے کا ہے جس میں قراء ت اور تلاوت کے ساتھ اس کے معانی کا علم اور اس کے احکام کا فہم بھی شامل ہے--- اور اس کی روزانہ تلاوت یا قراء ت سے نہ صرف ادائے حقوقِ قرآن کی ابتداء ہوتی ہے، بلکہ با فہم تلاوت تو قرآن کریم کے باقی تمام حقوق ادا کرنے کے لئے پیہم یاد دہانی کا کام بھی دیتی ہے۔

تعلیم و تعلم قرآن کے اسباب و ذرائع اور اس کے لئے مطلوب علوم و فنون متعدد اور متنوع ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ فہم اور تدبر کے ساتھ مطالعہ قرآن کا انحصار کئی امور بلکہ علوم پر ہے۔ تاہم بلا اختلافِ احدے--- یہ امر مسلّم ہے کہ اس سمت میں پہلا قدم عربی زبان کا--- کسی درجہ مہارت تک کا---معقول فہم ہے۔

اور اگر عربی زبان کا یہ علم و فہم ماہرانہ اور "منتہیانہ" درجے میں ممکن

نہ ہو تو بھی کم از کم عامیانہ اور "مبتدیانہ" سطح سے خاصا اونچا ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ صرف قرآن کریم ہی نہیں تمام علوم اسلامیہ کی اصل اور بنیادی کتابیں عربی زبان ہی میں ہیں۔

اور یہاں عربی زبان سے ہماری مراد بھی قرآن و حدیث والی زبان ہے جسے اصطلاحاً "العربیة الفصحی" کہتے ہیں--- اور یہی زبان دنیا بھر کے مسلمانوں کی مشترکہ دینی اور ثقافتی زبان ہے۔ عربی زبان کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد تو دین فہمی ہی ہے۔ اگرچہ آج کل عربی سیکھنے کی ضرورت کئی اور پہلوؤں سے بھی محسوس ہونے لگی ہے--- تاہم عرب ممالک میں بولی جانے والی عام روزمرہ کی (Colloquial)زبان جسے اصطلاحاً "اللغة الدارجة" کہتے ہیں--- اس کا سیکھنا سیاحوں اور عرب ممالک میں کام کرنے والے چھوٹے یا بڑے ملازموں یا دکانداروں وغیرہ کے لئے چاہے کتنا ہی ضروری یا مفید ہو--- قرآن فہمی تو کجا قرآن کی درست قراءت سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

عربی (یا کسی بھی زبان) کو سیکھنے کے لئے جدید ترین نظریۂ تعلیم کے مطابق--- چار مہارتوں کو بنیادی ضرورت سمجھا جاتا ہے--- استماع ' نطق ، قراءت اور کتابت (یعنی سننا ' بولنا' پڑھنا اور لکھنا) قرآن فہمی کے لئے عربی سیکھنے میں بھی یہ مہاراتِ اربعہ ناگزیر ہیں۔

اس کا سب سے پہلا مرحلہ ناظرہ قرآن خوانی سے شروع ہوتا ہے۔ عربی حروف کے درست مخارج اور ان کی اصوات (آوازوں) کو استماع اور نطق یعنی سنکر بولنے سے ہی سیکھا جا سکتا ہے۔ بعد کے مراحل میں یہ استماع و نطق عربی بول چال بذریعہ حوار و مکالمہ سیکھنے کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور ہونا چاہئیں--- تاہم عربی زبان سیکھنے کی خشتِ اوّل ' صحیح مخارج اور درست تلفظ کے ساتھ' قرآن خوانی کو قرار دینا اتنا اہم کام ہے کہ مشہور مصری عالم دکتور شوقی ضیف (جن کا تخصص ہی عربی گرامر یعنی صرف و نحو ہے) نے اپنی کتاب

Marfat.com

"تجدید النحو" کے ابتدائی دس صفحات (ص۴۹ تا ۵۸) میں کلمہ کی اقسام ثلاثہ (اسم ' فعل ' حرف) بیان کرنے کے فوراً بعد درست قرآن خوانی اور تجوید کے بنیادی قواعد مثل مخارج ' اصواتِ حروف ' حرکات ' تشدید ' تنوین ' لین ' مدّ ' تفخیم ' ترقیق ' ہمزہ قطع و وصل' حروفِ شمسی و قمری اور ادغام و ابدال پر مفصل بات کی ہے۔ (یعنی یہ تمام امور "قرآنی قاعدہ" میں آجانے چاہئیں)--- اور انہوں نے نطقِ سلیم اور تلفظ کی صحت کو عربی صرف و نحو کی تعلیم کے لئے بنیادی لازمی شرط (Pre-Requisite) قرار دیا ہے۔ بلکہ اس چیز سے غفلت کی بناء پر ہی مصریوں کی نئی (نوجوان) نسل کا لغتہ فصحیٰ میں گفتگو کی صورت میں کلمات کے ناقص تلفظ اور حروف کے نطق میں لا ابالی پن پر اظہار افسوس کیا ہے۔

صحیح مخارج ' درست تلفظ اور عربی حروف کی صوتی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے رواں اور شستہ لہجے میں ناظرہ قرآن خوانی سے تعلیمِ زبان کی تیسری مطلوبہ مہارت یعنی قراء ت...بلکہ بسرعت قراء ت (Rapid Reading) کے حصول کا وہ مرحلہ طے ہو جاتا ہے جو نہ صرف تعلیمِ زبان (عربی) کی اہم اساس ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے اس سے اگلے مراحل طے کرنے کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس وقت اگر تیسری مہارتِ زبان (قراء ت) کے ساتھ ہی بچے کے لئے زبان کی چوتھی مہارت (کتابت) کے حصول کی بنیاد رکھ دی جائے---یعنی متعلم کو عربی حروف (بخط نسخ) بقدرِ امکان خوشخط لکھوانے کا کام شروع کر دیا جائے--- بلکہ اگر افریقی مسلم ممالک میں رائج طریقے کے مطابق متعلم کو (چھوٹی عمر میں ہی) سبق میں پڑھی جانے والی قرآنی عبارات یا کلمات کو--- کاغذ یا تختی پر --- ہو بہو نقل نویسی کی عادت ڈالی اور مشق کرائی جائے--- تو یہ چیز عربی زبان کی مؤثر اور بسرعت و سہولت تعلیم کی مضبوط اور مستحکم بنیاد ثابت ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

اور اگر کسی آدمی کو ابتدائی عمر میں ان مہارات اربعہ کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کا موقع نہیں ملا--- اور اب وہ عربی زبان کے سیکھنے کا بھی خواہاں ہے تو اسے حسبِ ضرورت پہلے چند دن یا چند ہفتے مخارج کی صحت ' اور تلفظ کی درستی کے ساتھ قرآن کریم--- بلکہ عام مشکول عربی عبارات--- کی رواں قراءت (Rapid Reading)کی مشق کر لینی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ ہی عربی عبارات کو قرآنی اسلوبِ کتابت (خط نسخ) کے مطابق نقل کرنے یا لکھنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے۔

مندرجہ بالا امور عربی زبان کی تعلیم کے لئے "مالابدّ منه" کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے بعد عربی صرف و نحو کے قواعد کی تدریس اور ترجمتین کے ذریعے ان کی عملی مشق کا درجہ آتا ہے۔ اور یہاں بھی عربی کی کسی اچھی مشکول درسی کتاب (Reader) کا مطالعہ (قراءت و معانی) تعلیمِ قواعد سے پہلے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اگر اسی تدریس کو دو ڈھائی گھنٹے روزانہ مع مشقی کام (Home work) دئے جائیں تو طالب علم کی سابقہ تعلیمی استعداد (بی اے۔ ایف اے یا میٹرک ہونے) کے لحاظ سے ایک یا دو سال کے عرصے میں نہ صرف عربی زبان کا اچھا خاصہ ذخیرۂ الفاظ (Vocabulary)بلکہ وہ تمام ضروری قواعد زبان --- صرف و نحو--- ذہن نشین کرائے جا سکتے ہیں--- جو ترجمہ قرآن کی لغوی اور نحوی بنیادوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں اور جن کا بطور سلیبس یا مقدارِ نصاب کے ہم ابھی آگے چل کر ذکر کریں گے۔

اس سے اگلے مراحل (اگر کوئی طے کرنا چاہے تو) میں عربی نظم و نثر کی کتابیں پڑھ کر ذوقِ ادب پیدا کرنے ' اسالیبِ کلام سے آشنا ہونے کے بعد آخر پر درجہ تخصص میں بلاغت اور معانی و بیان کے اصولوں سے آگاہ ہونے اور ان کے عملی اطلاق کے مراحل طے کرنے سے عربی زبان و ادب پر عبور اور اس میں

Marfat.com

مہارت کا علمی درجہ تکمیل پذیر ہوتا ہے--- تاہم یہ آخری مراحل قرآن فہمی کے بنیادی لوازمات نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کو تدبر کے ساتھ فہم قرآن کی "تحسینیات" اور "مستحبّات" میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

تخصّص زبان کے اس آخری درجہ سے پہلے قواعد صرف و نحو کے ایک معقول اور معیاری نصاب (جن کا ذکر آگے آئے گا) کی کامیاب تکمیل کے بعد قرآن کریم کو --- ترجمہ کی حد تک --- براہ راست سمجھنے کے کام کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ طالب علم اس مرحلے پر فہم قرآن کے دو بنیادی عناصر--- لغات (مادہ و اشتقاق کی بحث) اور وجوہ اعراب کی بنیاد سے آگاہ ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ کلمات کی بنائی اور اعرابی حرکات کے تغیّرات کے اسباب و نتائج کو جاننے لگتا ہے اور معجم (ڈکشنری) کے استعمال پر قادر ہونے کی بناء پر وہ کلمات کے لغوی معنی کی بحث کو سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ عبارت کے اندر کلمات کے باہمی تعلق (ترکیب) کی بناء پر عبارت کے معنی متعیّن کرنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ گویا وہ براہ راست فہمِ قرآن کی دہلیز پر آ کھڑا ہوتا ہے۔

اس "لغاتِ قرآن" اور "اعراب قرآن" کا فہم قرآن سے کتنا گہرا تعلق ہے اس کا اندازہ اس بات سے کر لیجئے کہ عموماً ہر قابل ذکر مفسّر اپنی کتاب (تفسیر) میں تفسیر آیات (مثلاً بعض واقعات یا احکام کی تفصیل یا کسی نکتہ آفرینی وغیرہ) سے پہلے نصِ قرآنی (عبارت) کے مفرد کلمات (الفاظ) کی لغوی تشریح اور مرکب کلمات (جملوں) میں کم از کم بعض اہم اعراب کی توضیح ضروری سمجھتا ہے--- اور بعض تفاسیر (مثلاً کشاف ' بیضاوی وغیرہ) اپنی اس خصوصیت کی بنا پر ہی اہل علم کے ہاں زیادہ مقبول ہوئی ہیں۔

خیال رہے کہ عربی دنیا کی واحد زندہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جس میں کلمات (خصوصاً اسماء و افعال) کی بنیاد (عموماً) ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے--- اگرچہ بعض دوسری سامی زبانوں مثلاً عبرانی ' سریانی ' آرامی ' امہری ' حبشی وغیرہ میں بھی یہ

Marfat.com

"مادۂ کلمات" والی بات پائی جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر یا تو اب مردہ زبانیں شمار ہوتی ہیں۔ یا ان زبانوں کے مقابلے پر عربی میں یہ چیز زیادہ وسیع اور ایسی ترقی یافتہ صورت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ایک مادہ سے نکلنے والے مشتق اور جامد کلمات میں سے معانی و مفاہیم کے اتنے چشمے پھوٹتے ہیں جنہوں نے عربی زبان کو ایک دریائے ناپیدا کنار بنا دیا ہے۔

عربی زبان اپنی ترقی کے یہ مدراج طے کر کے ظہور اسلام اور نزول قرآن سے پہلے (خصوصاً حجاز میں) اپنے بلوغ کو پہنچ چکی تھی۔ قرآن اور اسلام کی بدولت اسی عربی زبان کو حیاتِ دوام حاصل ہوئی۔ اور یہی زبان آج تک دنیائے اسلام کی مشترک دینی اور ثقافتی زبان ہے۔

دوسری طرف عربی دنیا کی ان چند زبانوں میں سے ایک ہے جن میں اسماء و افعال کے آخری حصّے میں تصریف سے بعض قواعد و ضوابط کے ساتھ ایک تبدیلی (Inflection) واقع ہوتی ہے۔ جسے اعرابی تبدیلی یا اعرابی حالتیں یا صرف "اعراب" کہتے ہیں۔ یہ خصوصیت بھی دنیا کی بعض قدیم زبانوں مثلاً یونانی' لاطینی وغیرہ میں بھی موجود تھی۔ مگر آج کی زندہ زبانوں میں سے یہ چیز صرف تین زبانوں—عربی 'جرمن اور امہری (حبشی)— میں پائی جاتی ہے—اور عربی میں بھی یہ چیز قرآن کریم کی برکت سے صرف لغۃ فصحیٰ یعنی علمی عربی میں پائی جاتی ہے ورنہ روزمرہ کی بول چال — لغۃ دارجہ— میں تو عرب بھی اسے خیر باد کہہ چکے ہیں۔

فہم قرآن کی کسی بھی علمی کوشش میں عربی زبان کی ان دو خصوصیات یعنی لغوی اور نحوی پہلوؤں— لغات اور اعراب— کو مدِنظر رکھے بغیر چارہ نہیں۔ تفسیر کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نصِ قرآنی (عبارت) کی تفسیر و توضیح کے کام کا آغاز ان دو امور سے ہی کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

بلکہ "لغات و اعرابِ قرآن" کی اسی اہمیت کے پیش نظر ان موضوعات پر مستقل تالیفات موجود ہیں جو خصوصاً ان دو موضوعات سے متعلق مشکل (غریب) کلمات یعنی غریب المفردات اور مشکل مرکبات یعنی غریب الاعراب سے بحث کرتی ہیں۔ مثلاً حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (التوفی ۵۰۲ھ) کی المفردات فی غریب القرآن اور (عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن الانباری (التوفی ۵۷۷ھ) کی البیان فی غریب اعراب القرآن ---اور یہ تو ہم نے صرف دو کتابوں کا نام لیا ہے ورنہ ان --- دو موضوعات--- میں سے ہر ایک موضوع پر بلکہ بعض دفعہ ان کے ضمنی موضوعات پر مستقل تالیفات میں یا بعض بڑی کتابوں کے مختص ابواب میں بحث کی گئی ہے۔ جن کا مختصر تعارف بھی ایک مستقل مقالے کا محتاج ہے۔ صرف ابن الندیم نے الفہرست میں اس قسم کی انیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ دو امور (لغات اور اعراب قرآن) اگرچہ فہم قرآن یا ترجمہ قرآن کی بنیاد ہیں--- تاہم یہی اور محض یہی فیصلہ کن عامل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ فہم قرآن کے دوسرے عوامل و ذرائع خصوصاً سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ' تفسیر ماثور ' سیرت طیبہ اور تاریخ عرب وغیرہ سے بھی استفادہ ناگزیر ہے۔ اور پھر لغوی مباحث میں بھی عام و خاص ' حقیقت و مجاز ' صریح و کنایہ اور تشبیہ و استعارہ وغیرہ کے قواعد استعمال کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تو اس معاملے میں ایمان (عقیدہ کی درستی) ' تقویٰ خداخوفی' دیانتداری اور اخلاصِ نیت کا دخل ہے۔ ورنہ کسی عبارت کو من مانے معنی "پہنانا" یا کسی مجموعہ عبارات میں سے اپنی مرضی کے موافق عبارت اور کلمات نکال دکھانا۔ یہ تو حضرتِ انسان کی وہ خصوصیت ہے جس کے مظاہر صرف "خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں" کی قسم کے نام نہاد مذہبی رہنماؤں کی تحریر و تقریر میں ہی نہیں بلکہ ہماری عدالتی کاروائیوں میں وکلاء کے باہم متضاد دلائل میں اور

سیاسی لیڈروں کے مناظرانہ بیانات میں مشاہدہ کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔
(وکان الانسان اکثر شیء جدل۔۔۔۔: الکھف۔۵۴)

اس جملہ معترضہ کے باوجود اس میں شک نہیں کہ لغات و اعراب قرآن کے علم کے بغیر قرآن کریم سے براہِ راست علمی یا فکری رابطہ ممکن نہیں۔۔۔ اس رابطہ کے بعد قرآن کریم سے ہدایت و رہنمائی پانا۔۔۔ یا قرآن کے ذریعے ہی اپنی گمراہی کو مستحکم کرنا۔۔۔ یہ تو "نصیب اپنا اپنا" والی بات ہے اور اس نصیب کا تعین کرنے والے اندرونی بیرونی عوامل کی بحث ایک الگ مسئلہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے اس موضوع کی اہمیت کی بناء پر عربی زبان میں تو لغاتِ قرآن اور اعرابِ قرآن پر متعدد اعلیٰ پایہ کی تالیفات موجود ہیں۔ تاہم اردو زبان میں ابھی اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اور لغات القرآن پر تو پھر بھی اردو میں اچھا خاصا کام ہو چکا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض میں صرف اپنی اغراض کے لئے کام دینے والے الفاظ و معانی جمع کر کے اپنے لئے لغات القرآن کے نام پر ایک خود ساختہ سند مہیا کرنے کی کوشش ہی کی گئی ہے تاہم معقول اور دیانتدارانہ علمی کام بھی ضرور ہوا ہے۔ لیکن اعراب القرآن پر ابھی تک اردو میں کوئی کام نظر سے نہیں گزرا۔ بعض تفاسیر (مثلاً حقانی) میں ترکیب نحوی کے نام سے اعراب القرآن کی کسی کتاب (عموماً عکبری) سے کچھ اقتباس بزبانِ عربی شامل کر دئے گئے ہیں۔

اردو زبان میں اس موضوع پر کام نہ ہونے کی وجہ یہ تأثر یا خیال بھی ہے کہ اعراب کی بحث کو تو وہی سمجھے گا جس نے اچھی خاصی عربی گرامر پڑھی ہو گی اور جس نے اتنی عربی پڑھ لی ہو اس کو اردو میں اعراب سمجھانے کی بھلا کیا ضرورت ہے ۔ ورنہ لوگ اب تک بیضاوی اور زمخشری کا ترجمہ بھی کر چکے ہوتے ۔

Marfat.com

یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ لغات اور اعراب کی بحث سمجھنے کے لئے ایک خاص سطح تک کی عربی دانی یا عربی صرف و نحو کے قواعد سے واقفیت ضروری ہے۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس معیار تک--- بلکہ اس سے زیادہ عربی جاننے والوں میں سے بھی بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جنہوں نے کبھی پورے قرآن کریم کا لغات و اعراب کے ساتھ مطالعہ کیا ہو۔ اور اس میں یونیورسٹی اور درس نظامی کے فاضلین کا حال یکساں ہے۔ کسی ضرورت کے تحت یا کسی موقع کی مناسبت سے اس قسم کی بحث پر کسی کتاب میں نظر ڈال لینا اور بات ہے لیکن پورے قرآن کریم کا بالاستیعاب اس طریقے سے مطالعہ اور بات ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اعراب و لغات کے بیان کے ساتھ پورے قرآن مجید کا مطالعہ کہیں بھی داخل نصاب نہیں ہے۔

عربی جاننے والوں کو غم ہائے روزگار میں اس کی فرصت ہی نہیں مل سکتی۔ جب تک یہ چیز نصاب میں مقرر نہ کر دی جائے--- پابندی کے ساتھ پورے قرآن مجید کا آیت بآیت اور لفظ بلفظ اس طریقے پر مطالعہ ناممکن ہے۔

یہ تجربہ غالباً صرف مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی میں ہی کیا گیا ہے۔ جس میں روزانہ دو پیریڈ (کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ) دیتے ہوئے کم و بیش ایک برس میں الحمد سے والناس تک پورا قرآن کریم اعراب و لغات کے حوالے سے پڑھا گیا ہے اور پڑھایا جا رہا ہے۔

اردو زبان میں مستند اور دستیاب تراجم قرآن کی تعداد اس وقت درجن سے بھی زیادہ ہو چکی ہے اور عام اردو دان پڑھا لکھا طبقہ اس سے استفادہ بھی کرتا ہے۔ تاہم اس میں قاری کو مترجم (ترجمہ کنندہ) کے علم و دیانت پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے "مکتب فکر" کے ترجمہ کو ہی ترجیح دیتا بلکہ اسی میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم جیسی عظیم کتاب ہدایت

کے فہم کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا — ترجمہ کی حد تک -- مطالعہ بھی اتنی اونچی علمی سطح پر تو کیا جائے کہ پڑھنے والا اپنے لغات و اعراب کے علم کی بناء پر ترجمہ قرآن کی لغوی اور نحوی بنیاد کو سمجھ سکتا ہو ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی دو امور ـــ لغات و اعراب --- ہی ترجمہ قرآن یا براہ راست فہم قرآن کی بنیاد اور جان ہیں ۔

اس کے ذریعے ہی -

۱- یہ پتہ چل سکتا ہے کہ کس مترجم نے کن لغوی معنوں کو ترجیح دی ہے-

۲- یہ پتہ چل سکتا ہے کہ کس مترجم نے ترکیب نحوی میں کس چیز کو ملحوظ رکھا ہے ۔

۳- اس بات کی نشاندہی ممکن ہے کہ کسی مترجم نے کہاں اور کس نوعیت کی غلطی کی ہے ۔ اس غلطی کا معمولی یا سنگین ہونا --- اور دانستہ یا نادانستہ --- ہونا ایک اضافی بات ہے ۔

۴- اور اس کے ذریعے ہی کسی مترجم کی الفاظ ترجمہ کے انتخاب میں غلطی یا درستی سامنے آتی ہے اور خوب اور خوب تر کا فرق بھی واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے ۔

جب راقم الحروف کو قرآن اکیڈمی میں پہلے دو سالہ کورس کے طلبہ کو ترجمہ قرآن پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی تو پہلے تو یہی خیال میں آیا کہ مختلف تراجم سامنے رکھ کر ان کے حوالے سے ترجمہ پڑھایا جائے (یعنی یہ بتایا جائے کہ فلاں صاحب نے یوں ترجمہ کیا ہے اور فلاں نے یوں --- وغیرہ) لیکن ہفتہ بھر میں یہ محسوس کر لیا گیا کہ اس طرح تو طالب علموں کو تراجم میں (باہمی) فرق کی وجہ معلوم ہی نہیں ہو سکے گی ۔ چونکہ یہ کلاس عربی صرف و نحو کا وہ ضروری نصاب مکمل کر چکی تھی جس کا ذکر ابھی آئے گا --- اس لئے یہ فیصلہ

کر لیا گیا کہ لغات و اعراب کے بارے میں طلبہ کے اس علمی اور ذہنی پس منظر کے حوالے سے اصلی لفظی ترجمہ قرآن -- یعنی فہم معنی عبارت --- کی بات کی جائے اور پھر اردو محاورہ کی خاطر کی جانے والی تبدیلیوں اور انتخاب الفاظ میں کسی مترجم کے معیار اور اس کے ذوق کا موجودہ تراجم کے ذریعے تقابلی مطالعہ بھی کیا جائے ۔ وقت کی کمی کے باعث ہم جملہ تراجم قرآن کا کماحقہ تقابلی مطالعہ تو نہ کر سکے-- تاہم موقع اور ضرورت کے لحاظ سے بعض دفعہ اس تقابلی مطالعہ نے خوب فائدہ بھی پہنچایا اور اس میں ایک لطف بھی آیا ۔

یوں قرآن اکیڈمی میں ترجمہ قرآن کی اس تدریس سے ہی راقم الحروف کے ذہن میں یہ بات آئی - اور اس کا محرک کلاس کے بعض ذہین طلبہ کے کچھ سوالات بھی بنے — کہ اردو میں " لغات و اعراب قرآن" کی روشنی میں " ترجمہ قرآن کی لغوی اور نحوی بنیادیں " واضح کرنے کے لے ایک کتاب لکھی جائے جس کے اندر کلاس میں کئے گئے اجمالی کام کی تفصیل آجائے ۔ اس کتاب کا نام (یا عنوان) مندرجہ بالا داوین میں دی گئی عبارتوں میں سے ایک کو ہی قرار دیا جائے ۔ سردست پہلے نام کو اختیار کر لیا گیا ہے ۔

اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں راقم الحروف کو اپنے لئے کچھ رہنما اصول مقرر کر لینا ضروری معلوم ہوا ۔ ان کی تفصیل یوں ہے ۔

ا- جہاں تک کلمات قرآن کی لغوی تحقیق (لغات القرآن) کا تعلق ہے ۔ اس میں مادہ اور اشتقاق کی صرفی بحث سے آگے کسی کلمہ کے لغوی معانی کی بحث میں محتاط ہونا ضروری سمجھا گیا۔ اس لئے کہ لغات (ڈکشنری) کی مثال تو ایک ایسے "کباڑ خانہ " کی ہے جس میں سے ہر آدمی اپنی ضرورت کی چیز ڈھونڈ نکالتا ہے ۔ ہمارے نزدیک کسی کلمہ یا عبارت کے متعدد لغوی معانی سے انتخاب یا ترجیح میں سیاق عبارت کے علاوہ سنت رسول ﷺ اور مستند تفسیر ماثور کو نظر انداز کرنا صریح گمراہی اور دانستہ یا نادانستہ اسلام دشمنی ہے ۔ قرآن و سنت نے عربی زبان

Marfat.com

کے جن کلمات کو ایک " دینی اصطلاح " بنا دیا اب اس کے اصطلاحی معنی سے ہٹ کر لغت کے کونوں کھدروں سے کوئی شے تلاش کر کے لانے کی کوشش کرنا محض کولمبس بننے کے شوق اور خواہش کا اظہار ہے ۔ یہ چیز دین یا قرآن کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

اس لئے اس معاملے میں ہم نے عام بڑی معاجم (ڈکشنریوں) اور غریب القرآن پر لکھی گئی مخصوص کتابوں کے علاوہ مستند تفاسیر میں سے شرح مفردات والے حصوں سے استفادہ کیا ہے۔ اور بعض جگہ الفاظ کے معنی عربی الفاظ میں نقل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں جن قوامیس اور تفاسیر سے خصوصاً استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے اہم یہ ہیں:

القاموس المحیط (فیروز آبادی) اور اس کی شرح تاج العروس پر مبنی "مدّ القاموس" یعنی "Lane's Lexicon" المفردات (راغب) قاموسِ قرآن (قرشی) معجم غریب القرآن (فواد عبدالباقی) تفاسیر میں سے زمخشری ' طبرسی اور آلوسی کے لغوی مباحث کے ساتھ المصحف المیسر کے حواشی ' الفراء کی معانی القرآن اور جلالین۔

۲- اعراب القرآن کے معاملے میں نہ صرف مذکورہ بالا تفاسیر کے نحوی مباحث کو سامنے رکھا گیا ہے بلکہ اعراب القرآن کی مختص کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ جن میں سے خصوصاً قابلِ ذکر یہ ہیں۔ العکبری کی "التبیان فی اعراب القرآن" (جو "املاء ما من بہ الرحمٰن" کے نام سے مشہور ہے) ' ابن الانباری کی "البیان فی غریب اعراب القرآن " القیسی کی "مشکل اعراب القرآن" اور الزجاج کی " اعراب القرآن" ۔ تاہم کتب اعراب القرآن کے بعض مباحث کو ہم نے اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

(الف) اعراب القرآن کی کتابوں میں عموماً اور بعض تفاسیر میں بھی قراءات سبعہ میں سے متعدد قراءات کے مطابق اعراب بیان کیے جاتے ہیں۔ ہم نے

Marfat.com

اس معاملے میں ان کتابوں سے اپنا استفادہ صرف قراءتِ حفص (عن عاصم) تک محدود رکھا ہے۔ اس لئے کہ برصغیر بلکہ تمام ایشیائی ممالک میں --- اور افریقی ممالک میں سے مصر میں بھی --- صرف یہی قراءت متداول ہے۔ اور اسی کو سمجھنا اور سمجھانا ہمارا مقصدِ اولین ہے۔

(ب) اعراب القرآن کی کتابوں میں بعض ایسی توجیہات اور تاویلات بھی مذکور ہوتی ہیں جن کا فہمِ عبارت سے چنداں تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض مبنی کلمات میں رفع' نصب یا جر--- تینوں اعراب کی وجہ ثابت کر دکھانا۔ بعض افعال میں نصب اور جزم دونوں کے امکانات بیان کرنا ' یا بعض مشکل اعراب میں مختلف نحوی آراء (یا امکانات) لکھ کر کسی کو غلط اور کسی کو درست قرار دینا وغیرہ --- یا مثلاً اس قسم کے "نحوی مباحث' کہ بسم اللہ میں "ب" کی زیر (کسرہ) کیوں ہے فتحہ یا ضمہ کیوں نہیں؟--- یا ضمیر "نحن" میں آخری نون پر پیش (ضمہ) کیوں ہے؟ وغیرہ۔

بعض مشکل اعراب کی توجیہہ و تاویل مقدرات اور محذوفات کے ذریعے کرنے کی یقیناً ضرورت پڑتی ہے' تاہم اس معاملے میں نحوی بزرگوں کے بہت سے مباحث کو ایک قسم کا "علمی ہیضہ" ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس کا رونا ابن مضاء القرطبی سے لے کر مصری مؤلفین دکتور شوقی ضیف اور عباس حسن تک نے رویا ہے۔ اور اسی وجہ سے مصر میں سرکاری سطح پر "تیسیر النحو" کے لئے کئی بار کوشش کی گئی۔ جس کو بعض علماء نے "روایت سے انحراف" کہہ کر رد کرنے کی کوشش بھی کی اور بعض "اصلاحات" کو قبول بھی کر لیا گیا۔ اور اس "تعسیر النحو" اور تیسیر النحو" کے مظاہر ہمیں عباس حسن کی علم نحو پر سب سے جامع اور مبسوط کتاب "النحو الوافی" اور دکتور شوقی ضیف کی مختصر مگر جامع کتاب "تجدید النحو" میں نظر آتے ہیں۔ مقدم الذکر نے نحو کے مسائل کو ایک طرح سے "ضروری" اور " زائد از ضرورت" (یا خالص علمی و نظریاتی

Marfat.com

مسائل) میں تقسیم کر کے ہر ایک کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ جب کہ شوقی ضیف نے "نحو" کے غیر ضروری جھاڑ جھنکار کو کاٹ پھینکا ہے اور صرف زبان (عربی) کو درست بولنے ' لکھنے اور سمجھنے کی حد تک ضروری قواعد کو بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں بعض روایتی اصطلاحات کی جگہ نئی اصطلاحات میں قواعدِ زبان بیان کئے ہیں۔

اسی طرح آج کل نحو کی تعلیم اور تدریس کو "وظیفی"(Functional) اور "تخصیصی" (Specialised) میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تخصیصی پر عبور پانے کی ضرورت صرف ان حضرات کو ہے جنہوں نے تمام عمر مدارس یا جامعات میں عربی نحو کی تعلیم و تدریس کو ہی اپنا پیشہ یا مہارت خصوصی بنانا ہو۔

جہاں تک زبان کے درست بولنے ' لکھنے اور سمجھنے کا تعلق ہے اس کے لئے "نحو وظیفی" کے مسائل تک کی تعلیم کافی ووافی ہے اور اس درجہ تک پہنچنا بھی کوئی معمولی کارکردگی (Achievement) نہیں ہے' بنا بریں ہم نے کتب اعراب القرآن میں بیان کردہ مشکل یا "دقیق" مباحث کو شامل نہیں کیا ہے۔

(ج) کتب اعراب القرآن میں عموماً نص قرآنی کے ایک ایک کلمہ (اسم یا فعل یا حرف) پر بات نہیں کی جاتی ' بلکہ صرف چیدہ چیدہ اور قدرے مشکل اعراب والی آیات اور عبارات کو ہی زیر بحث لایا جاتا ہے اور بعض (مثلاً مکی بن طالب القیسی) نے تو صاف لکھا ہے کہ "ہماری کتاب مبتدیوں کے لئے نہیں بلکہ صرف منتہی اور ماہر نحو حضرات کے لئے لکھی گئی ہے"--- اعراب القرآن کی کتابوں میں سے حال ہی میں دار الارشاد حمص (شام) سے شائع ہونے والی استاد محی الدین الدرویش مرحوم کی کتاب "اعراب القرآن وبیانه" واحد کتاب ہے جس میں قرآن کریم کے ایک ایک کلمہ پر نحوی بحث کی گئی ہے۔ ہم نے اس کتاب کو ہی نمونہ بناتے ہوئے نحو کے بظاہر معمولی اور مبتدیانہ مباحث کو بھی

Marfat.com

شامل بحث کر لیا ہے کیونکہ اس سے نحو کے ذریعے قرآن سمجھنے اور قرآن کے ذریعے نحو کے مسائل کو سمجھنے اور ان کا اعادہ کرنے کا دو طرفہ عمل جاری رہ سکتا ہے۔

(د) اعراب القرآن کی کتابوں میں عموماً کلمات کے مادہ اور اشتقاق بلکہ بعض دفعہ صرفی تعلیلات کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ہم نے اس کے لئے الگ عنوان "اللغة" مقرر کیا ہے۔ اس حصے میں سب سے پہلے ہر کلمہ کا "مادہ" اور "وزن" ہی بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر اس کے معانی وغیرہ کی بات کی گئی ہے اور عنوان الاعراب کے تحت کسی کلمہ کے دوسرے کلمات کے ساتھ تعلق یعنی ترکیب نحوی کی بات کی گئی ہے۔ جس سے عبارت کے معنی متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لئے بعض جگہ ہم نے کسی عبارت کے تقابلی ترجمہ کا ذکر اسی --- "الاعراب" والے --- عنوان کے تحت کیا ہے۔

اس کے علاوہ کتاب میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر کلمہ کا (اسم یا فعل کی حد تک) "مادہ" اور "وزن" بیان کرنے کے بعد تعلیل صرفی (اگر کوئی ہوئی ہو تو) کی طرف بھی "وزن اصلی" اور "شکل اصلی" لکھ کر اشارہ کر دیا ہے۔ تعلیل کے قاعدے کو ہر جگہ بیان نہیں کیا گیا۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مطالعہ کنندہ ہمارے مطلوبہ معیار کے نصاب کو (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) پڑھ چکا ہے اور وہ صرف اتنے اشارہ سے ہی تعلیل کو سمجھ جائے گا۔ نیز یہ طریقہ اس کے لئے پڑھے ہوئے قواعدِ صرف کے اعادہ ' یاددہانی اور مزید مشق کا باعث بھی بنے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے مادہ کے بنیادی معنی کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہم "مادہ" سے فعل ثلاثی مجرد (اگر مستعمل ہے) اپنے باب اور مصدر سمیت بیان کیا ہے اور عموماً وہی مصدر لیا گیا ہے جو قرآن کریم میں کسی جگہ مستعمل ہوا ہو --- ورنہ کسی ایک آسان سے مصدر کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے--- اور اگر وہ فعل ثلاثی مجرد قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا تو اس بات کی بھی وضاحت کر

Marfat.com

دی گئی ہے۔

ہم نے اللغۃ عنوان کے تحت کسی مفرد کلمہ کے اردو معنی بیان کرنے میں ' اور الاعراب عنوان کے تحت کسی عبارت کے بلحاظ ترکیب اردو معنی کے بیان میں' قرآن کریم کے قریباً تمام متداول اردو تراجم--- بلکہ بغرض نشان دہی بعض گمراہ کن تراجم کو بھی --- سامنے رکھا ہے اور کئی جگہ مترجم کا نام لئے بغیر تقابلی مطالعہ کے لئے مختلف تراجم کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ اس سے مطالعہ کنندہ کو ترجمہ کے غلط یا درست ہونے یا اس میں زبان اور محاورے کے لحاظ سے کسی خوبی کی کمی بیشی کا بھی پتہ چل سکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں بار بار یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہماری (مجوزہ) کتاب کم تعلیم یافتہ لوگوں اور محض مبتدیوں کے لئے نہیں ہے--- اور نہ ہی اس سے علماء و فضلاء کو چراغ دکھانا مقصود ہے--- البتہ ان کے لئے بھی شاید یہ اس لحاظ سے قابل توجہ قرار پائے کہ اس میں بعض منتشر معلومات کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل علم و فضل کی طرف سے تنقید و تبصرہ کی صورت میں ہر قسم کی راہنمائی کو بخوشی بلکہ بشکریہ قبول کیا جائے گا۔

یہ کتاب بنیادی طور پر --- لغۃ و اعراب کی حد تک--- صرف ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو عربی صرف و نحو کا کم از کم مندرجہ ذیل نصاب پڑھ چکے ہوں۔ اس نصاب کے مطالعہ میں اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ ہر نئی زبان ابتداء میں مشکل معلوم ہوتی ہے۔ تھوڑی سی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ آسان فرما دیتا ہے اور پھر جس قدر محنت کی جاتی ہے آسانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ عربی سیکھنے جیسی نعمت کے لئے ذوق و شوق اور محنت بہرحال ضروری ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مجوّزہ نصابِ صرف و نحو
کلمہ اور اس کی اقسامِ ثلاثہ (اسم ' فعل ' حرف)

اسم

مطالعہ ٔ اسم کے چار پہلو : حالت ' جنس ' عدد ' وسعت

(۱) اسم بلحاظ حالت: حالاتِ (استعمال) کی تبدیلی کی بناء پر اسم کے آخر میں تبدیلی یعنی اعراب کا تعارف۔ اعراب (آخر کی تبدیلی) قبول کرنے یا نہ کرنے کے لحاظ سے اسم کی تقسیم: معرب ' غیر منصرف اور مبنی ۔
اعرابی تبدیلی کی تین صورتیں : رفع ' نصب اور جر۔
علامات اعراب۔ منقوص ' ممدود اور مقصور
اسماء میں اعرابی علامات۔ غیر منصرف اسماء کی معروف اقسام اور ان کی پہچان (مثلاً عجمی نام ' عورتوں کے نام ، "ۃ" پر ختم ہونے والے نام وغیرہ)

(۲) اسم بلحاظ جنس: تذکیر و تانیث ۔ حقیقی اور قیاسی مؤنث۔ علاماتِ تانیث۔ تائے مربوطہ اور تائے مبسوطہ کا فرق۔ سماعی مؤنث (باقاعدہ اور بے قاعدہ) اسم کی بصورتِ تذکیرو تانیث اعرابی علامات۔

(۳) اسم بلحاظ عدد: مفرد (واحد) ' مثنی (تثنیہ) اور جمع--- جمع سالم مذکر۔ جمع سالم مؤنث۔ جمع مکسّر۔ اسم جمع۔ واحد تثنیہ اور جمع (مذکر و مؤنث) میں علاماتِ اعراب۔ مشابہ تثنیہ اور مشابہ جمع سالم مذکر کلمات کا اعراب--- اعراب بالحرکات اور اعراب بالحروف کی پہچان اور اس کی اعرابی گردان کی مشق۔

(۴) اسم بلحاظ وسعت (دلالت): اسم ذات ' اسم معنی (عدد ' مصدر) اسم

Marfat.com

صفت ۔ نکرہ ' معرفہ ' معرفہ کی اقسام۔ معرف باللام۔ ہمزۃ الوصل اور ہمزۃ القطع۔ ہمزۃ الوصل والے اسماء ثمانیہ کا تعارف۔

☆ ضمیر کا مفہوم اور ضمائر کا اقسام: ضمائر کی بلحاظ مدلول غائب' حاضر اور متکلم میں تقسیم۔

ضمائر کی اعرابی استعمال کے لحاظ سے تقسیم:

مرفوع ' منصوب اور مجرور ضمیریں ' منفصل اور متصل ضمیر کا مطلب اور ان کی رفع' نصب' جر کی مختلف شکلیں----- یکساں اور مختلف شکلوں کی پہچان۔

☆ اسم اشارہ ' اسم استفہام ' اسم موصول ' اسم شرط اور اسم عدد کی اقسام اور ان میں مبنی و معرب کی پہچان اور علامات۔

☆ مرکبات: توصیفی ' اضافی ' جاری ' اشاری ' ظرفی اور عددی مرکبات کے قواعد ' اسماء ستہ مکبرہ میں سے صرف چار (ذو ' اب ' اخ اور فم) کی اعرابی گردان (جس میں ذو کی بلحاظ جنس اور بلحاظ عدد تمام صورتیں شامل ہوں)۔

☆ جملہ اسمیہ کے اجزاء کی ترتیب اور ترکیب: مفرد یا مرکب مبتداء اور خبر کی پہچان اور ان کے استعمال کے ضروری بنیادی قواعد۔

فعل

☆ مادہ 'وزن: حروفِ مادہ کی تعداد کے لحاظ سے فعل کی تقسیم۔ ثلاثی' رباعی۔

☆ فعل کی تقسیم بلحاظ زمانہ: ماضی ' مضارع (برائے حال و مستقبل) ' امر۔

☆ مادہ سے اشتقاقِ افعال: تصریفات الفعل (گردانوں) کے ذریعے فعل کے مختلف صیغوں کی ساخت اور پہچان کے طریقوں کی مشق۔

Marfat.com

☆ فعل ثلاثی مجرد: ماضی اور مضارع کی تصریف (گردان)۔ ابوابِ ثلاثی مجرد۔

☆ فعل ثلاثی مزید فیہ کے صرف دس (قرآنی) ابواب (یعنی افعال، تفعیل، مفاعلۃ، تفعل، تفاعل، افتعال، انفعال، افعلال، افعیلال اور استفعال) کے ماضی اور مضارع کی گردانیں اور ان کے مصادر اور اوزان کی پہچان۔

☆ فعل رباعی مجرد اور اس کے مزید فیہ (سے صرف بابِ افعلال) کے ماضی مضارع کی گردان۔

☆ تقسیم فعل بلحاظ معنی: فعل لازم اور متعدی کا تعارف اور اس کی پہچان (بذریعہ معنی یا بذریعہ باب) کا طریقہ--- لازم ابوابِ فعل۔

☆ فعل معروف اور فعل مجہول کا مفہوم۔ مختلف (متعدی) ابواب سے فعل مجہول--- ماضی اور مضارع--- کی گردانیں اور صیغوں کی پہچان کی مشق۔

☆ مضارع کے تغیرات: فعل مجرد و مزید فیہ کے مختلف ابواب سے مضارع منصوب بلن، مضارع مجزوم بلم اور مضارع مؤکد بنون ثقیلہ و خفیفہ کی گردانیں---

بصیغۂ مجہول استعمال ہونے والے بعض افعال کا تعارف (شُل، غشی و زکم)۔

☆ فعل امر اور فعل نہی (حاضر) کی تصریف (گردان)۔ امر غائب اور نہی غائب (معروف اور مجہول) کی گردان۔

☆ فعل کی اقسام بلحاظ نوعیتِ حروف مادہ: صحیح اور غیر صحیح (سالم غیر سالم) فعل اور اس کی اقسام: مہموز اور مضاعف کے تغیرات (تخفیف و ادغام کے قواعد اور مختلف ابواب سے ان کے ماضی اور مضارع (معروف و مجہول) مع تغیرات ثلاثہ (نصف، جزم اور تاکید) کی گردان،

مہموز اور مضاعف۔

سے فعل امر و نہی کی گردان اور صیغوں کی متبادل صورتوں کی پہچان۔

☆ فعل غیر صحیح معتل (واوی یائی) کی اقسام: مثال ' اجوف ' ناقص اور لفیف (مقرون و مفروق) کے قواعدِ تعلیلات (اعلال)-- ہر قسم کے فعل کی مجرد اور مزید فیہ کے (مستعمل) ابواب سے فعل ماضی اور مضارع (معروف مجہول) اور امر و نہی کی گردانیں--- معتل ابواب سے فعل مضارع کے تغیرات ثلاثہ (نصب ' جزم ' توکید) کے ساتھ گردانیں اور صیغوں کی شناخت۔

☆ باب افتعال ' تفعل اور تفاعل (کی تاء) میں ابدال و ادغام کے لازمی اور جوازی قواعد اور ان ابواب سے ماضی مضارع (معروف و مجہول) اور امر و نہی کی گردانیں اور صیغوں کی پہچان۔

☆ صرفی قواعد (تخفیف ' ادغام ' تعلیل وغیرہ) کی بناء پر شکل بدلنے والے افعال کے صیغوں میں "وزن اصلی" اور "شکل اصلی" کی پہچان۔

☆ جملع فعلیہ کی ترکیب ' اس کے اجزاء کی ترتیب اور اس میں عدد و جنس کے استعمال کے قواعد۔ نون الوقایۃ کے مواقع استعمال۔

☆ افعال ناقصہ ' لیس اور ما الحجازیہ ' افعال مقاربہ ' افعال الشروع ' افعال الرجاء ' افعال القلوب ' غیر متصرف افعال ' اسماء الافعال ' افعال مدح و ذم ' افعال تعجب کا تعارف۔

✿ مادہ سے اشتقاق اسماء

(ا) ابواب ثلاثی مجرد صحیح اور غیر صحیح سے اسماء مشتقہ کے اوزان: اس الفاعل ' اسم المفعول ' اسم الظرف ' اسم الآلہ ' اسم الصفۃ ' الصفۃ المشبہۃ ' افعل التفضیل ' افعل الوان وعیوب اور اسم المبالغہ کے اوزان

Marfat.com

اور ان کی بناء پر اسمائے مشتقہ بنانے کی مشق اور ان اسماء کی گردانیں اور بدل جانے والی صورتوں کی پہچان۔۔۔

(۲) صحیح اور غیر صحیح مادوں سے رباعی مجرد اور ثلاثی و رباعی مزید فیہ ابواب سے (بن سکنے والے) اسماء مشتقہ کی ساخت کے قواعد اور ان کی پہچان۔

☆ غیر صحیح مادوں سے قواعد صرفی کے تحت بدل جانے والے اسماء مشتقہ میں وزن اصلی اور شکل اصلی کی پہچان۔ غیر صحیح مادوں سے بننے والے بعض اسماء میں حروف مادہ کا قلب اور تعویض (مثل ماء ' شفۃ ' سنۃ ' ابن ' اسم ' اب ' اخ ' فم وغیرہ)

☆ صرف صغیر کا تعارف اور اس کے ذریعے افعال اور اسماء مشتقہ کی ساخت اور پہچان کی مشق۔

☆ اسماء مشتقہ میں سے اسماء مشبہ بالفعل (صرف فاعل ' مفعول ' صفۃ مشبہ اور مصدر) کے عمل فعل کا تعارف اور عملی مثالوں سے مشق۔

حرف

حروف عاملہ اور ان کا معانی پر اثر: ۔۔۔ جارہ ' مشبہ بالفعل ' نواصب مضارع ' جوازم مضارع ' نفی اور نداء کے حروف۔

حروف غیر عاملہ اور ان کا معانی پر اثر ' افعال پر داخل ہونے والے غیر عامل حروف۔ حروف جارہ کے فعل کے ساتھ بطور صلہ استعمال سے واقفیت۔

وجوہ اعراب

اعراب الاسم

مرفوعات: مبتدا ' خبر ' فاعل ' نائب فاعل ' خبران ' اسم کان ' منادیٰ مفرد۔

منصوبات: مفاعیل خمسہ (مطلق ' بہ ' لہ ' فیہ ' معہ) ' حال تمییز ' لائے نفی جنس '

نداء اور استثناء (کی بعض صورتیں) ' عددی مرکبات (میں بعض معدود یا تمیز) '
محذوف الناصب منصوبات: تحذیر ' اغراء ' اختصاص ' اشتغال الفعل۔
مجرورات: مجرور بالجر کا مجرور بالاضافہ ' اضافت ظرف ' بعض عددی مرکبات میں معدود یا تمیز کی جر۔

اعراب الفعل

فعل مضارع کے لفظی اور معنوی تمام نواصب اور جوازم کا مکمل تعارف.
توابع: نعت (حقیقی و سببی) ' توکید (لفظی و معنوی) ' بدل (اور اس کی اقسام' عطف۔

☆ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل موضوعات کا بھی کم از کم سرسری مطالعہ ضرور کر لینا چاہئے۔

(۱) مزید فیہ ابواب کے تسمیہ کے مختلف طریقے (۲) ثلاثی اور رباعی مزید فیہ کے بقیہ (غیر قرآنی) ابواب (یعنی افعیعال ' افعوّال' تفعلل ' افعنلال) (۳) ملحق برباعی کا تعارف (۴) خاصیات ابواب (۵) اسباب منع صرف(۶) اوزان جمع مکسر (قلت و کثرت) (۷) تصغیر (۸) نسبت (۹) اسم ثلاثی ' رباعی اور خماسی (مجرد و مزید فیہ) (۱۰) ثلاثی مجرد کے اہم اوزانِ مصادر ' مصدر جامد' مصدر صناعی' اسم المرۃ ' اسم ' الھیئۃ ' (۱۱) نداء میں ندبہ ' استغاثہ اور ترخیم کا استعمال (۱۲) تاریخ (میں دن'مہینہ' سال) بیان کرنے کا طریقہ (۱۳) کسری اعداد کا طریقہ (۱۴) ظروف مبینہ اور حروف عاملہ وغیر عاملہ کا تفصیلی بیان (۱۵) صرف کبیر کا تصور۔

مذکورہ بالا نصاب کے بیان میں موضوعات کی تدریسی تدریج سے زیادہ ان کی منطقی تقسیم اور ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ ممکن ہی نہیں کہ صرف اسم کے سارے قواعد پہلے پڑھا دئے جائیں اور اس میں فعل یا حرف کا

ذکر بھی نہ آنے دیا جائے۔ ایک ہی موضوع سے متعلق تمام قواعد کو یکجا یا یکدم پڑھانے کی کوشش (جیسا کہ ہماری بیشتر پرانی نصابی کتابوں میں کیا گیا ہے) ہرگز مفید نہیں اس سے قواعد کے اطلاق کی عملی مشق بذریعہ تمرین و ترجمہ کے امکانات کم اور اسی نسبت سے نتائج حوصلہ شکن ہو جاتے ہیں--- اس لیے ضروری ہے کہ بیک وقت مختلف نحوی صرفی موضوعات (اسم ' فعل ' حرف) کے قواعد و احکام کی ایک حکیمانہ امتزاج اور تدریج کے ساتھ ایسی مرحلہ وار تدریس ہو ' جس میں "معلوم سے نا معلوم" اور "آسان سے مشکل" کی طرف چلنے کے زریں تعلیمی اصول کو پوری طرح مد نظر رکھا جائے اور ترجمتین اور تمرینات کے ذریعے قواعد زبان کو ذہن نشین کرانے کی مشق کرائی جائے۔

☆ اس سلسلے میں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صرفی و نحوی --- اور خصوصاً نحوی تعلیم کے "متبدیانہ" سے لے کر "منتہیانہ" اور تخصصی مراحل تک بنیادی موضوعات اور مباحث تو قریباً یہی رہتے ہیں (جن کا اوپر نصاب میں ذکر ہوا ہے) فرق صرف نقطہ توجہ ' معیار کی سطح ' ہدف کی وسعت اور مسئلہ تک پہنچ اور رسائی کے طریقے کا ہوتا ہے ۔ اور اس کی مثال سیرت طیبہ یا عام تاریخ جغرافیہ وغیرہ کے وہ موضوعات ہیں جن کا مطالعہ مڈل یا میٹرک میں بھی کیا جاتا ہے اور پھر ایم اے یا اس سے بالا سطح پر بھی وہ زیر بحث لائے جا سکتے ہیں--- لہٰذا عربی زبان کی ایسی تدریس--- جس میں مختلف صرفی و نحوی موضوعات کا حکیمانہ امتزاج اور منطقی تدریج بھی ہو اور جس کا ہدف اور مطمع نظر "وظیفی" (Functional) صرف و نحو کے ان تمام قواعد کا احاطہ (اور ان کا عملی اطلاقی استعمال) تو ہو ' جن کا جاننا کسی بھی عربی--- بلکہ ادبی عربی--- عبارت کو سمجھ لینے اور اپنے مافی الضمیر کو عربی زبان --- دارجہ نہیں بلکہ فصحی--- میں درست طریقے پر سمجھانے کے لئے ضروری ہے--- اور جس میں پیشہ ورانہ تخصص سے متعلق علم النحو کے خالص نظریاتی مباحث میں الجھنا مطلوب و مقصود نہ ہو--- ایسی

Marfat.com

تدریس کے لئے اچھے استاد کے علاوہ دو قسم کی کتابوں کے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

(۱) ایک تو کوئی اچھا سا "ورسیہ" (Reader) جس میں طالب علم کے لئے معتدبہ مقدار میں ذخیرۂ الفاظ (Vocabulary) ' موزوں اور منتخب قرآنی دروس اور دیگر شستہ عربی نصوص (Texts) کی صورت میں موجود ہو۔

(۲) دوسرے قواعدِ صرف و نحو پر کوئی اچھی کتاب جس میں قواعد زبان کے تدریجی بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اطلاق (Applied Grammer) کے لئے ترجمتین اور تمرینات کی صورت میں "سامانِ مشق" بھی جمع کیا گیا ہو۔

اور ایسی مفید درسی کتابوں کے انتخاب میں ان طلبہ اور شائقین عربی کی ضرورت کو خصوصاً ملحوظ رکھا جانا چاہئے جن کا اصل مسئلہ "وقت کی کمی" ہے۔ یعنی سکول کالج یا یونیورسٹی سطح تک کے تعلیم یافتہ لوگ جن کی معاشی مجبوریاں اور مصروفیات بھی سد راہ بنتی ہیں مگر بایں ہمہ وہ عربی زبان سیکھ کر قرآن کریم سے اپنے ایمانی اور قلبی تعلق کے ساتھ ساتھ' اس سے اپنا ذہنی اور شعوری علمی رابطہ بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی بفضلہٖ تعالیٰ روزافزوں ہے--- یہ حضرات اب نہ تو مدارس عربیہ میں کئی برس لگا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی ایسے پیچیدہ طریقِ تعلیم کے متحمل ہو سکتے ہیں جس میں ڈول کھینچنے کی مشق زیادہ کرائی جاتی ہو پانی چاہے آئے یا نہ آئے--- اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے "فہم قرآن کی خاطر تعلم عربی" کے شوق کو بعض مطوّلات سے شرفیاب ایسے بھاری بھر کم اہلِ علم و فضل کی تنقید بلکہ تضحیک کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے' جو "درجہ ضرورت" اور "درجہ فضیلت" کے درمیان --- یا بالفاظ دیگر قواعد زبان کی تعلیم میں "عملی ضروریات "(Functional needs) اور علمی و نظریاتی مباحث پر مبنی "ذہنی تعیشات" (Intellectual Luxury) یا پیشہ ورانہ تخصص (Specialization) کے مقتضیات کے درمیان فرق کرنے کے قائل نہیں۔

Marfat.com

اس وقت بازار میں "عربی سکھانے والی" کتابوں کی کمی نہیں تاہم ان میں سے (۱) بعض کا مقصد صرف "عربی بول چال" سکھانا ہے۔ یہ "دبئی" جانے والوں کے لئے مفید ہوں تو ہوں مگر ان کا ہمارے مقصد--- یعنی "قرآن فہمی کے لئے عربی" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) بعض کتابوں کا مقصد قواعد زبان سکھانا تو ہے (جو فہم قرآن والی عربی کے لئے ضروری ہیں) مگر ان میں سے اکثر میں مشق اور ترجمہ کا سامان نہ ہونے کے برابر ہے جس سے ان کی تعلیمی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ قواعد بغیر مشقوں اور جملوں اور عبارتوں (ترجمتین) کے ذہن میں جاگزین نہیں ہو سکتے--- اور اسی زمرے میں آتی ہیں' ہمارے درس نظامی میں متداول صرف و نحو کی معروف نصابی کتابیں ' جن سب میں --- میزان و منشب سے لے کر فصول اکبری تک---اور نحو میر سے لے کر ملا جامی تک---بلکہ اوپر تک--- ہر جگہ قواعد زبان کو مجرد علمی اور نظری (Theoratical) انداز میں پڑھانے کا غیر فطری طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ گویا' بقول مولانا ابو الحسن علی ندوی "پیراکی کا فن پانی سے باہر سکھایا جاتا ہے"۔

(۳) قواعد زبان پر کسی حد تک--- اگرچہ ترجمتین کے بغیر--- سامانِ مشق والی بعض عمدہ کتابیں (مثلاً النحو الواضح) عربی زبان میں موجود ہیں تاہم اردو یا انگریزی دان اور وقت کی کمی کے "شکار" متبدی کے لئے یہ بھی بے سود ہیں۔

(۴) بعض کتابوں کا مقصد ترجمہ اور انشاء (مضمون نویسی) کی استعداد پیدا کرنا ہے (مثلاً معلم الانشاء) ان میں ضروری نحوی قواعد کی ترجمتین کے ذریعے مشق کا تو بہت عمدہ مواد موجود ہے مگر صرفی مباحث (خصوصاً تعلیلات) سے یکسر صرف نظر کر لیا گیا ہے۔ غالباً اس مفروضہ پر کہ یہ چیزیں طالب علم پہلے پڑھ چکا ہے۔ نیز عربی انشاء پردازی "فہم قرآن والی عربی" کا لازمی حصہ بھی نہیں ہے۔

Marfat.com

☆ ان تمام امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے راقم الحروف کے نزدیک ان اہل علم اساتذۂ عربی کی رائے قابل ترجیح اور اقرب الی الصواب ہے ' جو عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم کے لئے جدید اور عملاً زیادہ مفید طریقہ تعلیم پر مبنی کتابوں کے ذریعے تدریس کے حق میں ہیں۔ خوش قسمتی سے ایسی متعدد مفید تالیفات بھی معرض وجود میں آ چکی ہیں جن کو بہتر متبادل نصابی کتابوں کے طور پر استعمال کرنے سے "کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ" بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس "نصاب جدید کی ضرورت" کے تحت ایسے تعلیم یافتہ طالب علم کے لئے جو کسی حد تک اردو انگریزی کی گرامر سے آشنا ہے اور جو درست اور رواں ناظرہ قرآن پڑھ سکتا ہے یعنی مشکول عربی عبارت کی قراء ت (Reading)پر قادر ہے(۱)--- ایسے طالب عربی کے لئے عربی زبان کی تدریس کا آغاز کسی اچھے مشکول عربی ریڈر سے کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے حکومت پاکستان۔ وزارت تعلیم۔ کی تیار کردہ لازمی عربی کی کتاب "لغۃ الاسلام" کے پہلے دو حصے (چھٹی اور ساتویں جماعت والے) ایک یا ڈیڑھ مہینے میں صرف ترجمہ کے ساتھ پڑھا دئے جائیں۔ اس کے بعد دکتور امین المصری مرحوم کی کتاب "طریقہ جدیدہ" شروع کرا دی جائے--- (یا اس کے بدل کے طور پر محمد بشیر کی "اقرأ" سے بھی "کام چلایا" جا سکتا ہے)--- یہ ریڈر--- اور خصوصاً " طریقہ جدیدہ"--- لغۃ فصحی میں بول چال سکھانے بلکہ ذوقِ انشاء کے بیج بونے کا کام بھی دے سکتے ہیں--- دو مہینے بعد ریڈر کے ساتھ ساتھ قواعد زبان کی تدریس

۱- برصغیر میں انگریزوں سے پہلے بلکہ ان کے زمانے میں بھی دینی مدارس میں عربی صرف و نحو کی تعلیم کے لئے فارسی دان "قرآن خوان" ہونا بنیادی ضرورت سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ عام تعلیم کا آغاز اولاً قرآن پڑھنے--- بلکہ حفظ کرنے--- سے اور پھر فارسی پڑھنے سے ہوتا تھا۔ درس نظامی کی بیشتر ابتدائی نصابی کتابوں میں فارسی کو ہی ذریعہ تعلیم سمجھا گیا ہے۔ اب اردو تراجم و حواشی فارسی عربی کی جگہ لے رہے ہیں۔

Marfat.com

کے لئے عبدالستار خاں کی "عربی کا معلم" استعمال کی جائے--- کم از کم دو ڈھائی گھنٹے (تین پیریڈ) روزانہ کی تدریس سے کم و بیش ایک سال میں طریقہ جدیدہ (تینوں حصے) اور عربی کا معلم (چاروں حصے) ختم کرائے جا سکتے ہیں اور اس سے طالب علم کے ذخیرۂ الفاظ میں خاطر خواہ اضافے کے علاوہ گزشتہ صفحات میں مجوزہ نصاب کا بیشتر حصہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ طالب علم میں معجم (عربی ڈکشنری) استعمال کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور بہتر ہو گا کہ عربی سے عربی ڈکشنری کے استعمال کی عادت ڈالی جائے۔

اس استعداد کو مزید بڑھانے کے لئے چاہیں تو اگلے مرحلہ میں:

☆ مزید "درسیہ" (ریڈر) کے طور پر ابو الحسن علی ندوی کی "قصص النبیین" (پانچوں حصے)۔

☆ قواعد نحو کے اعادہ کے لئے "النحو الواضح" یا شوقی ضیف کی "تجدید النحو"--- اور

☆ ---علم الصرف کی مزید مشق کے لئے السورتی کی "علم الصرف" یا امرتسری کی "کتاب الصرف"--- اور صرف کبیر (خصوصاً غیر صحیح) کی تمرین کے لئے چرتھاولی کی "علم الصرف" (آخرین) یا شرتونی کی "جداول تصریف الافعال"--- اور

☆ ترجمہ و انشاء کے لئے ندوۃ العلماء کی "معلم الانشاء" (پہلے دو حصے) بھی پڑھ لئے جائیں تو بہت نفع ہوگا--- اور عربی کی بنیادی استعداد پختہ ہو جائے گی۔

تاہم صرف "طریقہ جدیدہ" (تین حصے) اور "عربی کا معلم" (چاروں حصے) سمجھ کر--- سبقاً سبقاً--- تمام مشقوں اور تمرینات کے--- عملی کام کے --- ساتھ پڑھ لینے سے بھی طالب علم وہ تمام صرفی اور نحوی قواعد پڑھ لیتا ہے جس کے بعد "لغات و اعراب قرآن" سمجھانے کا کام شروع کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

کتاب "عربی کا معلم" اپنی بعض خامیوں اور نقائص کی بناء پر محتاجِ اصلاح و ترمیم ہونے کے باوجود ' اس وقت عربی زبان کو قواعد صرف و نحو کی بناء پر سکھانے والی--- بازار میں دستیاب کتابوں میں سے غالباً واحد کتاب ہے جس میں صرفی و نحوی قواعد کے قریباً مکمل بیان کے ساتھ ساتھ تمرین اور ترجمتین کے ذریعے نسبتاً زیادہ سامانِ مشق موجود ہے--- اور ساتھ "کلید" کی فراہمی کی بناء پر یہ کتاب بڑی حد تک "خود آموزی" کے تقاضے بھی پورے کرتی ہے۔ اس کتاب کی تدریس میں کوئی بھی سمجھدار استاد ' اس کے اسباق کی ترتیب میں مناسب ردوبدل کر لینے سے ' بہترین نتائج حاصل کر سکتا ہے--- اور کوئی بھی اچھا طالب علم اس کتاب کو ایک دفعہ کسی استاد سے پڑھ لینے کے بعد از خود --- اور بذریعہ کلید--- اس کا اعادہ کرنے اور اس میں سے دوبارہ گزر جانے سے کم از کم قواعدِ صرف و نحو کی حد تک اپنی "عربی دانی" میں استحکام پیدا کر سکتا ہے۔ اور جب تک اللہ کا کوئی بندہ اس کتاب (عربی کا معلم) کے ہی اسلوب پر ' مگر اس سے بہتر ترتیب و تدریج اور بہتر مواد کے ساتھ کوئی "نیا معلم عربی" شائقین کو مہیا نہیں کر دیتا' اس وقت تک اس کو ہی بنیادی نصابی کتاب کے طور پر استعمال کرتے رہنا یقیناً فائدہ مند ہے۔ کسی آدمی کی "عربی دانی" کا سب سے بڑا معیار یا ثبوت یہ ہے کہ وہ کسی غیر مشکول عربی عبارت--- خصوصاً شعر --- کو درست پڑھ سکتا ہو--- بلکہ ایک لحاظ سے اتنی استعداد پیدا کر لینا انشاء پردازی پر قدرت رکھنے سے بھی مشکل ہے۔ اس لئے کہ اس میں ---یعنی غیر مشکول عربی عبارت یا کتاب کو درست پڑھنے میں --- کلمات کی بنائی اور اعرابی حرکات کو نظر پڑتے ہی فوراً سمجھ جانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ورنہ عبارت یا کلمات کے غلط تلفظ--- اور غلط قراء ت کا امکان یا خطرہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ عرب ریڈیو اسٹیشنوں سے نشرۃ الاخبار (خبریں) پڑھتے ہوئے جلدی میں عبارت غلط پڑھ کر --- معذرت کر کے --- "خبر خوان' کو عبارت دوہراتے ہوئے سننے کا اتفاق

Marfat.com

بھی ہوا ہے--- عربی عبارت لکھتے وقت کلمات کے درست تلفظ سے زیادہ ان کے درست معنی اور درست استعمال پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا نمونہ تو آپ اردو میں بھی--- "دیکھ" سکتے ہین۔ بعض لوگ اچھی خاصی ادیبانہ عبارت لکھ سکنے کے باوجود اپنے ہی استعمال کردہ--- اور درست استعمال کردہ--- کلمات کے درست تلفظ سے آگاہ نہیں ہوتے۔ در اصل کسی بھی زبان کی تعلیم سے نہ تو ہر آدمی کا مقصد ادیب بنتا ہوتا ہے اور نہ ہر آدمی کے لئے ایسا ممکن ہی ہے۔ بنیادی مسئلہ زبان کے ذخیرۂ الفاظ--- بلکہ اس سے بھی زیادہ زبان کے قواعدِ صرف و نحو (گرامر) پر اتنی دسترس کا ہونا ہے جس کی بناء پر آدمی اس زبان کی کوئی کتاب پڑھ اور سمجھ سکتا ہو۔ دنیا کی دوسری بہت سی زبانوں میں - جن میں حروفِ علت یا "صائت حروف" (Vowels) حرکات کا کام دیتے ہیں- ایسی زبانوں میں تو یہ ممکن ہے کہ کسی عبارت کو سمجھے بغیر بھی بڑی حد تک درست پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر عربی زبان میں "حروفِ حرکات" نہ ہونے کی وجہ سے معنی سمجھے بغیر عبارت کا درست پڑھنا ناممکن ہے۔

تاہم قرآن کریم کا معاملہ جدا ہے۔ یہاں تمام عبارت مشکول (مکمل حرکات کے ساتھ) ہوتی ہے۔ لہٰذا قواعدِ زبان کا علم ' قرآن کریم کے معنی سمجھنے میں سہولت کا باعث بنتا ہے---اور قرآنی کلمات کے مشکول ہونے کی بناء پر خود قرآن کریم کے ذریعے ہی قواعدِ زبان کی مشق اور تمرین کا موقع مل جاتا ہے۔ ہماری اس زیرِ تالیف کتاب (لغات و اعراب قرآن) میں یہی اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ قواعد زبان کی بناء پر نص قرآنی کا براہ راست فہم حاصل کیا جائے--- اور قرآن کریم کی عبارات اور اس کے کلمات کی صرفی نحوی توضیح کے ذریعے قواعدِ زبان- صرف و نحو کے مسائل- کی مشق اور ان کے اعادہ اور یاد دہانی کا عمل جاری رکھا جائے۔ گویا ہمارا اشعار (Motto) یہ ہے کہ- "عربی سیکھیے- قرآن کے لئے۔ قرآن کے ذریعے" امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے عربی

Marfat.com

زبان کی صرف و نحو کا نسبتاً زیادہ مدت تک مطالعہ کرنے والوں--- مثلاً درس نظامی کے موقوف علیہ یا اس سے کچھ کم تک تعلیم یافتہ حضرات--- خصوصاً ہمارے مجوزہ نصاب سے کم از کم ایک دفعہ "گزر جانے والے" حضرات--- کو اس کتاب کے ذریعے قواعد زبان کو ذہن میں جاگزین کرنے کے لئے بتکرار "مشق و اعادہ" کا موقع میسر آئے گا۔ صرفی قواعد کا بیان "اللغۃ" میں اور نحوی قواعد کا بیان" الاعراب" میں۔

☆ "لغات و اعراب قرآن" کے اس بیان کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے ذریعے اصحاب شوق اور ارباب ذوق کو دو ایسے قرآنی علوم سے متعارف کرانے کی کوشش بھی کی گئی ہے' جو اگرچہ فہم قرآن کے لئے تو ضروری نہیں ہیں ' مگر قرآن کریم کی درست کتابت اور درست قراء ت کا انحصار ان ہی دو علوم پر ہے--- اور یہ ہیں "علم الرسم" اور "علم الضبط"--- علم الرسم کا مقصد کلمات قرآن کے صحیح طریق املاء اور ان کے درست ہجاء (Spelling) کا تحفظ ہے۔ اور علم الضبط کی غایت--- حروف پر حرکات (زبر ' زیر ' پیش ' شد ' سکون) ڈال کر' عربی زبان اور اس یک قواعد کو نہ جاننے والے آدمی کو بھی ' قرآن کریم کی درست قراء ت --- ناظرہ قرآن خوانی--- کے قابل بناتا ہے۔ اور اسی علم کی بناء پر ہی دنیا بھر میں لاکھوں--- بلکہ کروڑوں مسلمان عربی زبان نہ جاننے --- بلکہ اپنی مادری زبان میں بھی لکھنا پڑھنا تک نہ جاننے--- کے باوجود قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ سکتے ہیں کہ گویا وہ اس کو سمجھ کر پڑھ رہے ہیں۔

علم الرسم کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو اسی ہجاء اور طریق املاء کے مطابق لکھا جائے ' جو خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیار کردہ--- اور شائع کردہ ایڈیشن کے --- مصاحف (نسخہ ہائے قرآن) میں اختیار کیا گیا تھا۔(۱) اور در اصل یہ مصاحف عہد نبویؐ میں رائج خط

اور طریق املاء و ہجاء کے مطابق ہی لکھے گئے تھے۔ اس لئے کہ ان کی تیاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ۱۵-۲۰ سال بعد ہی عمل میں آئی تھی۔ اور ان کی کتابت میں اہم کردار بھی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تھا--- جنہوں نے عہد نبویؐ میں بھی کتابتِ وحی کا کام کیا تھا اور عہد صدیقی میں قرآن مجید کو بصورت صحف (چھوٹے چھوٹے اجزاء میں) لکھنے میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ عربی زبان کے عام طریق املاء میں بعض اصلاحات یا تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ مگر قرآن کریم کے لئے اسی پرانے اور اصلی طریق املاء- جسے اب رسم عثمانی یا رسم المصحف کہا جاتا ہے - کو ہی برقرار رکھا گیا۔ اس مقصد کے لئے اس علم- علم الرسم- پر متعدد اہم کتابیں تالیف کی گئیں- جن کی بنیاد مصاحفِ عثمانی کے دقیق تقابلی مطالعہ اور مشاہدہ پر رکھی گئی تھی۔

بعض خاص حالات اور اسباب کی بناء پر مشرقی اسلامی ممالک- مثلاً ترکی، ایران اور برصغیر - میں رسم عثمانی کی خلاف ورزی کا ارتکاب عام ہو گیا ہے اور اب اس غلطی کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ قرآنی رسم الخط یا رسم عثمانی کا مسئلہ آج کل خصوصاً اس لئے بھی اہم ہو گیا ہے کہ بعض عرب ممالک (خصوصاً سعودیہ) نے حکومت پاکستان کی توجہ اکثر پاکستانی مصاحف (مطبوعہ) میں رسم عثمانی کی بکثرت مخالفات اور اغلاط کی طرف مبذول کرائی ہے--- اور اس میں بڑی حد تک صداقت بھی ہے۔ حکومت پاکستان ازروئے آئین پاکستانی ناشرانِ قرآن کو درست کتابت (جس میں رسم عثمانی کا التزام بھی شامل ہے) کے ساتھ

۱- ان مصاحف کی تیاری ایک معروف تاریخی واقعہ ہے۔ جس کی تفصیلات اس وقت موضوع بحث نہیں۔ مگر جن کو تاریخ اسلام یا تاریخ علم الرسم کی کسی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اشاعتِ قرآن کا پابند کرنے کی ذمہ دار ہے--- مگر عجیب بات ہے کہ اس معاملے میں حکومت اور ناشرینِ قرآن- دونوں ہی- رسم عثمانی یا رسم مصحف کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ بہت سے عرب اور افریقی ممالک میں اشاعتِ قرآن حکومت کی نگرانی میں ہوتی ہے اور وہاں رسم عثمانی کے التزام کی قانونی پابندی موجود ہے۔ ساتھ ہی قرآن کریم کے کاتبوں اور ناشروں کی رہنمائی کے لئے رسم عثمانی کے موضوع پر عربی زبان میں متعدد اہم تالیفات موجود ہیں۔ مثلاً عرب اور افریقی ممالک میں رسم المصحف کے سلسلے میں زیادہ تر عثمان بن سعید الدانی الاندلسی (ت۔۴۴۴ھ) کی "المقنع" اور اس کے شاگرد ابوداؤد سلیمان بن نجاح الاندلسی (ت۴۹۶ھ) کی "التنزیل فی هجاء المصاحف" پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (مؤخر الذکر کتاب ابھی تک کہیں طبع نہیں ہوئی البتہ اس کے مخطوطات موجود ہیں)۔

اردو زبان میں اس موضوع پر کوئی تالیف موجود نہیں ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں "لغات و اعراب" کی بحث کے ساتھ ساتھ کلماتِ قرآن کی رسم عثمانی کے مطابق درست املاء کے طریقے سے بھی بحث کی ہے اور متفق علیہ یا مختلف فیہ رسم کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے کتاب میں "اللغۃ" اور "الاعراب" کی طرح ایک مستقل عنوان "الرسم" بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور اس عنوان کے تحت رسم عثمانی کے لئے بعض دفعہ اس کے دوسرے اصطلاحی نام مثلاً "رسم قرآنی" یا "رسم المصحف" یا "هجاء المصحف" بھی استعمال کئے گئے ہیں--- اسی طرح مقابلہ اور موازنہ کے لئے عربی کے عام طریقِ املاء و ہجاء کا ذکر "رسم املائی"، "رسم معتاد" یا "رسم قیاسی" کے نام سے کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں ہم نے ایشیائی اور افریقی ممالک (مثلاً سعودیہ، شام، مصر، تونس، لیبیا، مراکش، نائجیریا، غانا، ترکی، ایران اور برصغیر پاک و ہند) کے عام مطبوعہ مصاحف اور رسم عثمانی پر مبنی واحد پاکستانی مصحف (مولوی ظفر اقبال

Marfat.com

مرحوم کا مرتبہ "تجویدی قرآن") کے علاوہ علم الرسم کی حسب ذیل کتابوں سے براہ راست استفادہ بھی کیا ہے۔ (۱) الدانی کی "المقنع" (۲) الہارغنی کی "دلیل الحیران" (جو الخراز کی مورد الظمآن فی رسم احرف القرآن کی شرح ہے)(۳) ابو زیتحار کی "لطائف البیان" (یہ بھی الخراز کی مختصر شرح ہے)(۴) ابن القاصح کی "تلخیص الفوائد" (جو شاطبی کے قصیدہ رائیہ- العقیلہ- کی شرح ہے)۔ (۵) الضباع کی "سمیر الطالبین" (جو بقول مؤلف المقنع ' التنزیل اور العقیلہ کے مسائل کا خلاصہ ہے) اور (۷) ارکاٹی کی "نثر المرجان فی رسم نظم القرآن (یہ کتاب برصغیر کے ایک عالم کی تالیف ہے اور عربی زبان میں ہے)۔ رسم عثمانی کے مسائل کو بزبان اردو پیش کرنے اور وہ بھی ایک ایک کلمہ کو زیر بحث لانے کی سعادت (غالباً) پہلی دفعہ ہمؒ اپنی اس کتاب (اعراب و لغات قرآن) کے ذریعے حاصل کر رہے ہیں۔

☆ ---- علم الضبط کا مختصر قصہ یوں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے مصاحف نہ صرف حرکات (زبر ' زیر ' پیش) سے معری تھے بلکہ اعجام (نقطوں کے ذریعے مشابہ حروف مثلاً د اور ذ کی پہچان) سے بھی خالی تھے۔ جب غیر عرب مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو قرآن کریم کی درست قراءت کے لئے علامات ِ اعجام اور علامات ضبط---- یعنی حرفوں کے نقطے اور ان پر حرکات کی علامات- ایجاد کی گئیں۔ پھر ان علامات میں اصلاح اور اضافہ کا عمل جاری رہا- بلکہ اب تک جاری ہے' اور اس علم کی اپنی ایک طویل تاریخ ہے۔ مختلف ملکوں اور زمانوں میں مختلف علامات ضبط ایجاد ہوتی اور استعمال ہوتی رہیں اور ہو رہی ہیں۔ ہر ملک کا مسلمان بچپن میں ہی اپنے ہاں رائج طریق ضبط کی تعلیم (بذریعہ قرآنی قاعدہ) کی بناء پر ' قرآن کریم ناظرہ درست پڑھ لیتا ہے۔ مگر کسی دوسرے ملک میں رائج مختلف اور نا آشنا طریقِ ضبط کے مطابق قرآن پڑھنا اس کے لئے دشوار ہوتا ہے۔

Marfat.com

آج کل سعودیہ میں غیر عرب ملکوں خصوصاً برصغیر پاک و ہند سے مصاحف کی درآمد- رسم عثمانی کی خلاف ورزی کی بناء پر -ممنوع ہے۔ بلکہ حاجیوں کو اپنا نسخہ قرآن مسجد کے اندر لے جانے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی اور یوں عملاً ہر ایک آدمی کو صرف سعودی حکومت کے مطبوعہ مصحف (جس کی بھاری مقدار حرمین شریفین میں رکھ دی گئی ہے ' بلکہ حاجیوں میں مفت تقسیم بھی کیا جاتا ہے) سے ہی تلاوت کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ جس کے طریقِ ضبط سے ناواقفیت کی بناء پر لوگ درست قراء ت ہر گز نہیں کر سکتے اور یہ سعودی حکومت یا اس کے مشیر علماء کا غیر دانشمندانہ بلکہ متعصبانہ اور جاہلانہ اقدام ہے۔ اس لئے کہ علم الرسم کے التزام کو تو ایک طرح کی تقدیس حاصل ہے اور وہ چودہ سو سال سے یکساں چلا آتا ہے مگر علم الضبط کا معاملہ مختلف ہے اور علاماتِ حرکات تو گذشتہ چودہ صدیوں میں اور متعدد اسلامی ممالک میں ہمیشہ اصلاح و ترمیم اور حک و اضافہ کے عمل سے گزرتی رہی ہیں ' لہٰذا کسی ایک ملک کے "ضبط" کو "رسم" کے برابر اہمیت دینا حماقت ہے- آج کے اسلامی ممالک کے مطبوعہ مصاحف میں موجود علاماتِ ضبط کے اسی فرق کو سمجھانے کے لئے ہم نے اس کتاب میں "الضبط" عنوان کے تحت قارئین کے سامنے ایک ہی کلمہ- اور بلحاظ رسم متفق علیہ اور یکساں مکتوب کلمہ کے مختلف طریقہ ہائے ضبط کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ممکن ہے اس کے ذریعے قاری کو کسی دوسرے ملک- خصوصاً سعودیہ- کے مطبوعہ مصحف سے بھی تلاوت کرنا آسان ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے کتاب میں ایک ہی کلمہ کو مختلف طریق ہائے ضبط کے مطابق- الگ الگ لکھ کر - مضبوط کیا گیا ہے. تاکہ قاری پر باہمی فرق واضح ہو جائے اور ساتھ ہی کہیں کہیں کسی ملک کے ضبط کا قاعدہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے تاکہ بار بار کی تکرارِ کتابت کی ضرورت نہ رہے- خیال رہے کہ علم الرسم کی طرح علم الضبط پر بھی مستقل تالیفات موجود ہیں بلکہ مصر کے دینی مدارس- خصوصاً الازہر کی

مرحلہ ثانیہ کی جماعتوں میں اس علم کی تدریس داخل نصاب ہے۔ راقم الحروف کے سامنے الدانی کی "المحکم فی نقط المصاحف" التنسی کی "الطراز فی شرح ضبط الخراز" (مخطوطہ کا فوٹو سٹیٹ) احمد ابوزیتار کی "السبیل الی ضبط کلمات التنزیل" اور علی محمد الضباع کی " سمیر الطالبین" (جس کا آخری حصہ ضبط سے متعلق ہے)- موجود تھیں ' مگر اس معاملے میں زیادہ مدد مختلف ملکوں کے مصاحف سے لی گئی ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا کتابیں زیادہ تر غرب اور افریقی ممالک میں رائج طریق ضبط کی بات کرتی ہیں- مشرقی ممالک کے ضبط پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ ماسوائے "تجویدی قرآن" مطبوعہ پاکستان کے مقدمہ کے جس میں اس مصحف کے طریقِ ضبط کو متعارف کرایا گیا ہے۔ کتاب کے عنوان "الضبط" کے تحت مختلف ممالک کے مصاحف میں سے طریقِ ضبط کا ذکر یا اس کا نمونہ حسب ذیل ترتیب کے مطابق آئے گا۔

(۱) برصغیر پاک و ہند کا عام ضبط

(۲) تجویدی قرآن (پاکستانی)

(۳) ترکی

(۴) ایران

(۵) عرب ممالک (مصر ' سعودیہ ' شام ' ان سب کا ضبط یکساں ہے)

(۶) افریقی ممالک (تونس ' مراکش ' نائجیریا ' لیبیا وغیرہ ان سب میں انداز خطاطی اور "اسلوب قلم" کے فرق کے باوجود طریق ضبط یکساں بلکہ بیشتر عرب ممالک کے ضبط سے مماثل ہے)

(۷) چین

(۸) دیگر ممالک۔

اگر کسی کلمہ میں اختلاف ضبط کا باعث اختلاف قراءت ہے(مثلاً ورش' قالون یا الدوری کی قراءات جو افریقی ممالک میں رائج ہیں اور ان کے مطابق

Marfat.com

لکھے گئے مطبوعہ مصاحف بھی دستیاب ہیں) تو اسے نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں بحثِ اعراب کی طرح ضبط کے معاملے میں بھی صرف قراءتِ حفص عن عاصم پر انحصار کیا گیا ہے۔

کتاب میں آیاتِ سور کو مختلف "قطعات" میں تقسیم کر کے ہر قطعہ کی گنتی (Paragraphing) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلے سورۃ کا نمبر ' پھر اس سورۃ کے زیرِ مطالعہ "قطعہ آیات" (جو ایک یا ایک سے زیادہ آیات پر مشتمل ہو گا) کا مسلسل ترتیبی نمبر اور اس کے بعد "اللغۃ" عنوان کے لئے (۱) "الاعراب" کے لئے (۲) "الرسم" کے لئے (۳) اور "الضبط" کے لئے (۴) نمبر ہو گا ۔ اور یہ نمبر سطر کے دائیں طرف حاشیہ میں یا حاشیہ سے شروع کر کے اس طرح لکھے جائیں گے مثلاً ۲:۲:۳ کا مطلب ہو گا سورۃ البقرہ کے دوسرے قطعہ آیات میں بحث الرسم اسی طرح ۲:۳:۲ کا مطلب ہو گا سورۃ البقرہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب وہکذا---

پیراگرافنگ کا یہ طریقہ آگے چل کر کسی گذشتہ بحث کی طرف اشارہ یا حوالہ کا کام دے گا۔ کتاب میں قرآن کریم کی ترتیبِ تلاوت کے مطابق ہر سورت کا آیت بآیت لفظ بلفظ مطالعہ کرنے کے لئے طریق کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اولاً زیرِ مطالعہ آنے والا ایک "قطعہ آیت" بطور عنوانِ بحث لکھا گیا ہے۔ جس میں نص قرآنی کا کچھ حصہ- جو کم از کم ایک آیت (یا اس سے زیادہ) پر مشتمل اور فی نفسہ ایک مستقل مفہوم کا حامل ہو- درج کیا گیا ہے- اس کے بعد اس "قطعہ آیات" یا قرآنی عبارت کے ایک ایک لفظ پر باری باری چار مقررہ عنوانات (۱- اللغۃ ' ۲-الاعراب ' ۳-الرسم ' ۴-الضبط) کے تحت بحث کی گئی ہے-

پہلی دفعہ (یعنی بطور عنوانِ بحث) لکھتے وقت قرآنی نص (عبارت) عام پاکستانی مصاحف کی بہترین نمائندگی کرنے والے مصحف یعنی انجمن حمایت اسلام'

لاہور کے مطبوعہ نسخہ قرآن کے مطابق لکھی گئی ہے اور قطعہ آیات کی اس بطور کتابت عنوان میں ضبطِ کلمات کا بھی عام پاکستانی (برصغیری) طریقہ استعمال کیا گیا ہے' البتہ اگر اس میں رسم عثمانی کی مخالفت والی کوئی غلطی ہے تو اسے درست کر کے لکھا گیا ہے اور "بحث الرسم" میں اسی قسم کے اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے پاکستانی مصاحف میں رسم عثمانی سے متعلق اغلاط اور ان کی نوعیت کا بھی پتہ چل سکتا ہے---- ضبط کا تقابلی مطالعہ آخر پر کیا گیا ہے۔

"قطعہ آیات" کی کتابت کے بعد "عنواناتِ اربعہ" کے تحت بحث کرتے وقت قرآنی کلمات عام عربی املاء (رسم معتاد) کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ جس طرح دارالمعرفہ' بیروت کے (۱۹۸۳ء) والے نسخہ تفسیر جلالین میں کیا گیا ہے جو مصحف برسم عثمانی کے حاشیے پر چھپی ہے۔ مگر حاشیے میں وارد آیات کے اجزاء کو رسم املائی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

☆ - اصحابِ ذوق اور اہلِ علم کے لئے کتاب میں "شمارِ آیاتِ قرآن" کے بارے میں معلومات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ - اختلافِ قراءات کی طرح قرآن کریم کی آیات کی گنتی کے لئے بھی سات مختلف روایات یا طریقے ہیں۔ جو ائمہ قراءات کی طرح اس فن (حدّ آیات) کے ائمہ کی طرف منسوب ہیں۔ اسے علم الفواصل کہتے ہیں اور اس فن کی مستقل تالیفات بھی ہیں اور قراءات کی بڑی کتابوں میں بھی اس مقصد کے لئے مستقل ابواب اور فصول یا ابحاث موجود ہیں- شمار آیات کے ان طریقوں کو (۱) المدنی الاول (۲)المدنی الاخیر یا الثانی (۳) المکی (۴) البصری (۵) الدمشقی (۶) الحمصی اور (۷) الکوفی (طریقہ) کہا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے نزدیک قرآنی آیات کی کل تعداد علی الترتیب یوں ہے (۱) ۶۲۱۷ (۲) ۶۲۱۴ (۳) ۶۲۱۰ (۴) ۶۲۰۴ (۵) ۶۲۲۷ (۶)۶۲۳۲ (۷)۶۲۳۶۔ خیال رہے کہ اس اختلافِ شمار کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بعض نے کچھ آیات چھوڑ دی ہیں اور بعض نے لے لی ہیں- بلکہ

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ آیت ختم کہاں ہوتی ہے؟ - چونکہ آیات کا تعین اجتہادی نہیں بلکہ توقیفی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت پر مبنی ہے اس لئے اس میں فہم راوی کی وجہ سے اس اختلاف کا ہونا ناگزیر تھا۔

دنیا کے مختلف اسلامی ملکوں کے مصاحف میں شمار آیات کے مختلف طریقے رائج ہیں - مصر اور تمام ایشیائی ممالک میں شمار آیات کا کوفی طریقہ رائج ہے- اور صرف برصغیر میں مزید یہ رواج بھی ہے کہ غیر کوفی آیت پر "۵" کا نشان ڈالتے ہیں۔ تاہم اسے گنتی میں شمار نہیں کیا جاتا۔ بعض پاکستانی مصاحف میں کہیں غلطی سے آیت (کوفی) سمجھ کر نمبر بھی ڈال دیا گیا ہے۔ یا غلطی ہی سے بعض جگہ "۵" کا غیر کوفی آیت والا نشان ڈال دیا ہے- حالانکہ وہاں کسی طریقے سے بھی آیت ختم نہیں ہوتی۔ اس قسم کی اغلاط کی اسی آخری حصہ بحث میں نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ہم نے کتاب میں برصغیر والے اس - غیر کوفی آیت کی نشاندہی کر نے کے - طریقے کا اتباع کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ کس جگہ شمارِ آیت متفق علیہ ہے اور کہاں اختلاف ہے؟ اور مذکورہ بالا سات "اصحاب شمار" میں سے کس کس نے کہاں کہاں اختلاف کیا ہے؟ اس بارے میں ہماری معلومات کا مصدر البنّاء کی "اتحاف فضلاء البشر" اور عبدالفتاح قاضی کی "نفائس البیان" ہیں بہرحال کتاب میں آیات کی گنتی کوفی طریقۂ شمار کے مطابق ہی کی گئی ہے اور آیت کا نمبر شمار (سورت وار) ہر آیت کے اختتام پر درج کیا گیا ہے۔ اس موضوع (عدّ آیات) کے لئے کوئی الگ عنوان مقرر نہیں کیا گیا' بلکہ مذکورہ چاروں عنوانات بحث کے خاتمے پر زیر مطالعہ "قطعہ آیات" کے بارے میں یہ گنتی والی بات بھی بیان کر دی گئی ہے۔

اس مقدمہ میں ہم نے اپنی اس کتاب["لغات و اعراب قرآن (مع بیان رسم و ضبط)]کے تعارف سے زیادہ عربی زبان کی تدریس کے مختلف رائج

Marfat.com

طریقوں پر بات کی ہے۔ دراصل قرآن فہمی کے لئے- ترجمہ کی لغوی ' نحوی بنیادوں کو سمجھ سکنے کی حد تک - عربی کے ایک نئے نصاب اور نئے طریقہ تدریس کی شدید ضرورت ہے۔ جس میں جدید تعلیم یافتہ شائقینِ فہم قرآن کی رعایت ہو اور اس میں درجہ تخصص پر زور نہ دیا جائے جو صرف پیشہ ورانہ مہارت کا میدان ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ تعلیم عربی اور فہم قرآن کو لازم و ملزوم سمجھتے ہوئے دونوں کی اشاعت کے لئے ایک مہم چلائی جائے جس کا نعرہ (Slogan)یا شعار (Motto) ہو: "عربی سیکھئے---- قرآن کے لئے ' قرآن کے ذریعے"-

اور اس مقصد کے لئے اس مقدمہ میں بیان کردہ نصاب اور اس کی تدریس کا نیا طریقہ اس "شعار" کے حصہ اول کے تقاضے پورے کرے گا اور حصہ دوم (قرآن کے ذریعے عربی سیکھنے) کا کام انشاء اللہ بڑی حد تک ہماری یہ تالیف سرانجام دے سکے گی۔

ان گزارشات کے ساتھ کتاب قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ہم اپنے قارئین سے درخواست گزار ہیں خصوصاً اہل علم و فضل سے- کہ وہ ہماری کوتاہیوں کی نشاندہی فرمائیں اور اپنے ناصحانہ مشوروں سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔ کوئی انسانی کام خطا و سہو سے مبرا نہیں ہو سکتا-اور انسانی خطا کی یا تو پردہ پوشی کرنی چاہئے یا اصلاح- اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ کم از کم کسی اچھے مسلمان کے لئے زیبا نہیں۔

اور آخر پر اللہ عزوجل کے حضور اپنی ان تمام کوتاہیوں اور خطاؤں کی معافی اور مغفرت کا طلبگار ہوں جو اس کی کتاب عظیم (قرآن کریم) کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں- اور امید اور دعا کرتا ہوں-

(اور اپنے قارئین سے بھی اس کی دعا کی درخواست کرتا ہوں) کہ اللہ جل شانہ اپنے حبیب خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اس حقیر ترین فرد کی یہ حقیر سی خدمتِ قرآن قبول فرمائے اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نفع بخش اور مؤلف کے لئے باقیۂ صالحہ اور صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین.

☆☆☆

Marfat.com

مسودہ تفسیر "الجامع الأزھر" پر
ایک طالب علمانہ نظر☆

(برادر ملک شام کے ایک صاحب علم شیخ حسین علی دحلہ کی غیر مطبوعہ تفسیر " تفسیر الجامع الازھر " ادارہ تحقیقات اسلامی میں تبصرہ اور ممکنہ طباعت کے بارہ میں اظہار رائے کے لئے موصول ہوئی تھی ۔ ادارہ کی درخواست پر ملک کے نامور محقق پروفیسر حافظ احمد یار صاحب نے مسودہ پر حسب ذیل رائے ارسال فرمائی۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے جناب حافظ صاحب کی تحریر شامل اشاعت کی جارہی ہے ۔(ادارہ)

اسلامی ادبیات اور مسلمانوں کے عملی ذخائر میں تفسیر قرآن کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔ گذشتہ چودہ سو برس میں عوامی سے لے کر علمی سطح تک قرآن فہمی کی مساعی کے نتیجے میں اس قدر تراجم اور تفاسیر وجود میں آ چکے ہیں جن کا استقصاء بھی کار دشوار ہے ۔ تاہم مکاتب و مذاہب کے اختلافات اور مختلف فکری و عصری رجحانات کی تاثیر سے اور ان کی تسکین کے لیے تفسیری ادب میں جتنا بھی اضافہ ہوا ہے اسے مجموعی طور پر بھی حرف آخر نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ کہنا کہ - فلاں تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسری تفسیر کی حاجت نہیں - یہ بات تو درکنار - سارے تفسیری ذخیرے کے ہوتے ہوئے بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب اس موضوع پر کسی مزید تالیف کی ضرورت نہیں رہی ۔ قدماء کی

☆ فکر و نظر' جولائی - ستمبر ۱۹۸۵ء' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

Marfat.com

علمی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہوئے مختلف رجحانات کو یکجا کرنے کا عمل ---
تفسیر کے میدان میں بھی ۔ --- یوں تو پہلے بھی جاری تھا مگر گذشتہ دو صدیوں
میں اس طرف زیادہ پیش رفت ہوئی ہے اور کئی " جامع تفاسیر " لکھی جا چکی ہیں ۔
اس کے باوجود اب بھی اعلیٰ علمی سطح پر " فی ظلال التفاسیر " کی قسم کے ایک "
تفسیری دائرۃ المعارف " کی تالیف کو تخیل کی بلند پروازی تو کہا جا سکتا ہے مگر غیر
ضروری یا ناممکن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے قرآن کی ہدایت کو سمجھنے کے بنیادی اور
مشترک مقصد کے علاوہ کسی بھی نئی تفسیر کی تالیف میں کئی دیگر عوامل بھی شامل
ہوتے ہیں ۔ مفسر کی اپنی فکری و ذہنی افتاد سے قطع نظر سب سے پہلے تو یہ طے
کرنا لازمی ہوتا ہے کہ تفسیر کے ذریعے کس ذہنی یا علمی سطح کی ضروریات کو پورا
کرنا مقصود ہے ؟ اس معاملے میں تفسیر نگار میں عموماً - غیر شعوری طور پر بھی اپنی
علمیت کے اظہار کی خواہش کا پیدا ہو جانا ایک فطری سی بات ہے ۔ تاہم مفسر کو
قاری کے لئے اپنا مقصد تفسیر نویسی اور اپنی ترجیحات کی ترتیب بیان کرنا ضروری
ہے ۔ عوام ، کم علم اور کم فرصت لوگوں کے لئے آسان زبان کے علاوہ اختصار اور
جامعیت کو مدنظر رکھے بغیر چارہ نہیں ہو گا اور یہ کوشش تفسیر کی بجائے ترجمہ
اور حاشیہ کی صورت اختیار کر سکتی ہے ۔ مختصراً مگر جامع تفسیری حواشی لکھنا بذات
خود تفسیر نویس کی علمیت اور قدرت زبان کا کچھ کم امتحان نہیں ہے ۔ تاہم آج
کے دور میں اور اتنے تفسیری ذخیرہ کی موجودگی میں بھی اگر کوئی اہل علم نئی تفسیر
لکھنا چاہے اور اس کا مقصد کسی بھی درجے میں علمی سطح اور معیار کو برقرار رکھنا
ہو۔ اور ہونا چاہیئے ---تو اسے حسب ذیل امور کو مدنظر رکھے بغیر چارہ نہیں
ہو گا۔

ضروری ہے کہ وہ گذشتہ ادوار میں ظہور پذیر ہونے والے تمام تفسیری
رجحانات سے آگاہ ہو اور ان عصری مقتضیات سے بھی بے خبر نہ ہو جو قرآنی

Marfat.com

ہدایت کے طلبگار ہیں یا جو قرآن سے ہدایت حاصل کرنے میں سد راہ بن سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مطابق ماضی کے تمام تفسیری رجحانات کو سات عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ (۱) ماثور و منقول تفسیر (طریق محدثین)۔ (۲) عقلی اور کلامی تفسیر (طریق متکلمین)۔ (۳) طریق فقہاء (تفسیر احکام) (۴) لغوی و نحوی امور پر زور - (۵) علم معانی و بیان کی رو سے فصاحت و بلاغت قرآنی کو اجاگر کرنے کا رجحان - (۶) اختلاف قراءت پر عالمانہ اور تنقیدی نظر - (۷) تفسیر اشاری (طریق صوفیہ) - محمد حسین الذہبی نے اپنی کتاب (التفسیر والمفسرون) میں ان پر دو مزید رجحانات کا اضافہ کیا ہے۔ (۱) سائنسی یا علمی تفسیر اور (۲) الحادی تفسیر (قرآن کو ملحدانہ تاویلات کا ہدف بنانا)۔ تاہم بغور دیکھا جائے تو یہ دونوں طریقے کلامی انداز تفسیر یا تفسیر بالرائے کے مذموم اور محمود طریقوں میں ہی شمار کئے جا سکتے ہیں۔

ان رجحانات کا مزید تجزیہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیر اشاری یا صوفیانہ تفسیر تو مستقل (مثلاً آیت بہ آیت) تفسیر قرار نہیں دی جا سکتی ہے۔ ایسی تفسیر دراصل کسی علمی تحقیق پر نہیں بلکہ ایک قلبی واردات یا جذباتی و روحانی کیفیت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے کوئی واضح اصول و ضوابط بھی وضع نہیں کئے جا سکتے۔ قراءت اور علم معانی و بیان کی تفصیلات زیادہ تر فنی نوعیت کی ہوتی ہیں اور ایک محدود طبقے تک قابل فہم ہیں۔

اس طرح آج کوئی ایسی تفسیر لکھنے کے لئے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے قابل فہم بھی ہو اور ایک حد تک علمی معیار کو بھی برقرار رکھ سکے ضروری ہو گا کہ کم از کم مقدم الذکر پہلے چار پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے۔ یعنی:

۱- تفسیر بالماثور (جس میں روایات کے رد و قبول کا معیار بھی شامل ہو گا)

۲- کلامی مباحث (جس میں عصر حاضر کے فلسفہ اور سائنس سے پیدا شدہ مباحث پر نظر بھی شامل ہو گی)۔

Marfat.com

۳- ضروری فقہی مسائل (جس میں عصر حاضر کے معاشرتی و معاشی اور سیاسی مسائل پر بھی توجہ ہو گی) اور

۴- قرآنی کلمات و عبارات کے لغوی اور نحوی پہلو (جس میں شرح مفردات اور اہم نحوی تراکیب کا بقدر ضرورت بیان لازمی ہو گا)۔

اس تمہید کے بعد اور اس کی روشنی میں ہم زیر تبصرہ مسودہ تفسیر الموسوم بہ "الجامع الازہر" کا جائزہ لیتے ہیں:۔

۱- سب سے پہلے تو تفسیر کے عنوان میں ایک "ادعاء" کی جھلک نظر آتی ہے الجامع الازہر کے ساتھ جو ایسے " المنتقى من مائة تفسير و أصل آخر أو اكثر " کہا گیا ہے تو اس مقفی و مسجع عنوان میں یہ تفاسیر سے انتخاب والی بات کھٹکتی ہے ۔ اس وقت تک عربی زبان کی مطبوعہ اور دستیاب ہونے والی مکمل (جزوی نہیں) تفاسیر کی کل تعداد بھی شاید ایک سو (۱۰۰) نہ بن سکے ' خصوصاً قابل ذکر ' اہم اور نمائندہ تفاسیر کی ۔

محمد حسین الذہبی نے تمام رجحانات کی نمائندہ تفاسیر میں سے بمشکل پچاس کے قریب تفاسیر کا ذکر کیا ہے ۔ خود مؤلف نے اپنے دیباچہ میں صرف گیارہ اہم تفاسیر کے نام گنوائے ہیں ۔ مسودے کے آخر پر بھی انہوں نے صرف اپنی چند مزید تالیفات (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) کی فہرست تو دی ہے ۔ مگر کسی فہرست مراجع و مصادر کا ذکر تک نہیں کیا ہے ۔ مسودے کے اندر پائے جانے والے تفسیری حوالے بھی پانچ سات تفاسیر تک ہی محدود ہیں ۔

۲- مسودہ تفسیر کے مقدمے سے (یعنی ص ۱-۲ سے - کیونکہ انہوں نے اپنی اس تفسیر کے کسی اور ۳۰۰ صفحات پر مشتمل الگ مقدمے کا ذکر بھی کیا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد تالیف طویل و ضخیم تفاسیر اور مجمل و مختصر تفاسیر کے بین بین ایک متوسط الحجم تفسیر لکھنا ہے ۔ جو تمام سابقہ تفاسیر کے تمام اہم مضامین پر مشتمل ہو اور یہ کہ وہ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائی کے بھی

Marfat.com

بین بین چلنا چاہتے ہیں (ص۲)- اگرچہ انہوں نے واضح طور پر اپنا طریق کار ' معیار و اصول انتخاب اور ترجیحات کی ترتیب وغیرہ بیان نہیں کی ہے ۔

۳- ص ۲ ' ۳ ' ۴ پر (مقدمہ میں) انہوں نے اس تفسیر کے لکھنے کے سلسلے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اپنے استخاروں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں بھی مؤلف نے دو باتیں ایسی لکھی ہیں جو قاری کو مؤلف کے تحت الشعور میں کسی روحانی " ادعاء " یا " حقیقی مرتبہ " کی موجودگی کا پتہ دیتی ہیں ۔ ایک تو ان کا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر حلول کرتے دیکھنا کہ دونوں ایک جسم اور ایک شخص معلوم ہونے لگے ' اس خواب یا واقعہ کی طرف اشارہ کرنے والے اپنے تین اشعار بھی نقل کیے ہیں ۔ خواب ہی سہی اور سچا بھی سہی تب بھی اس سے اپنی (اس) تفسیر کے عظیم الشان ہونے کا استنباط (ص۳) ذو معنی ہے۔ پھر آخر پر بغیر کسی مناسبت کے حدیث " ظہور مجدد علیٰ راس کل قرن " کی وضاحت پر قریباً آدھے سے زیادہ صفحہ لکھا ہے اور اس کے معا بعد اپنی اس کتاب کے " قوت بنائے اسلام " ہونے کی امید ظاہر کی ہے ۔ یہ بات بھی فاضل مؤلف کے " علو روحانی " یا کم از کم اپنے ادعاء کی جھلک پیش کرتی ہے ۔ واللہ اعلم بالنیات۔

۴- ص۵ و ص ۶ پر مؤلف نے النووی کی کتاب " البیان فی آداب حملة القرآن " کے دس ابواب کی فہرست مندرجات مکمل نقل کر دی ہے اور بعض ابواب سے کچھ مختصر اقتباسات بھی خلاصہ کی شکل میں دیے ہیں ۔ ان ابواب میں سے بھی اگرچہ بعض (مثلاً ساتویں ' آٹھویں اور نویں باب) کا مقدمہ تفسیر سے کوئی ایسا خاص تعلق بھی نہیں بنتا نظر آتا۔ اہم اور مفید و مناسب مضمون یا اقتباس کو بحوالہ کتاب لکھنا اور بات ہے لیکن ایک پوری کتاب کی مکمل فہرست مندرجات نقل کر دینا عجیب سا لگتا ہے ۔

۵- مسودہ کے مطالعہ سے مجموعی طور پر یہی تاثر ابھرتا ہے کہ

اس میں محاسن کم اور معائب زیادہ ہیں ۔ خوبیوں یا عمدہ پہلوؤں میں سے صرف حسب ذیل قابل ذکر ہیں ۔

الف - بعض مستقل عنوانات تفسیر کا التزام اور تعین - مثلاً سورۃ سے پہلے مضامین سورہ کا اجمالی خاکہ (اگرچہ یہ خلاصہ سورہ کے تاریخی پس منظر کے ذکر اور کسی منطقی ترتیب کے بغیر ہی لکھا گیا ہے)۔ ہر قطعہ آیات (زیر تفسیر) کے لئے اولاً ایک عنوان تجویز کرنا - شرح مفردات (کہیں کہیں) اسباب النزول اور احکام فقہیہ کے مستقل عنوانات مقرر کرنا' باقی باتیں وہ تنبیہات اور " فوائد " کے عنوانات کے تحت بیان کرتے ہیں ۔ اگرچہ مقرر کردہ عنوانات میں سے بھی وہ اکثر کو پوری طرح نہیں نبھا سکے ۔ مثلاً شرح مفردات صرف کلمات کے معنی مراد تک محدود ہے ۔ عنوانات بھی کئی جگہ محض تکلف بارد ہی معلوم ہوتے ہیں ۔

ب - بعض جگہ اچھے تفسیری نکات بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ص ۲۷ و ۲۸ پر صفات باری تعالی کے ضمن میں ص ۴۹ پر اثبات توحید کے بعض نکات یا ص ۶۲ پر فضائل علم کا بیان ' ص ۱۰۲ پر اہل ایمان کی موت سے محبت کا ذکر ' ص ۸۱ پر چالیس رات کے ذکر میں ایک صوفیانہ توجیہ' ص ۷۲ پر بعض عنوانات کی دہ گانہ تقسیم وغیرہ وغیرہ ۔

ج - فاضل مؤلف نے بعض جگہ اسرائیلیات کی مذمت کی ہے یا کم از کم تنقیدی زاویہ نگاہ اختیار کیا ہے ۔ مثلاً ص ۱۰۸ پر قصہ ھاروت و ماروت لکھنے کے بعد روایت پر تبصرہ۔ گو مختصر سہی - کیا ہے - ص ۹۳ پر "بعض " کی تفسیر کے بارے میں چھ تفسیری اقوال لکھ کر ان پر "الاطائل تحتہ " بھی لکھ دیا ہے ۔ اسرائیلیات پر تنقید کی سب سے اچھی مثال ص ۱۰۶ و ۱۰۳ پر ہے ۔ قصہ " سحر و سلیمان " کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ایسے قصے لکھنا بھی کاغذ اور سیاہی کا ضیاع ہے (ابن کثیر

Marfat.com

نے عوج بن عنق سے متعلق روایات کی طرف سرسری اشارہ کرتے ہوئے بالکل اسی طرح کی عبارت لکھی ہے مگر انہوں نے کاغذ ' سیاہی اور وقت قصہ نقل کرنے پر ضائع ہی نہیں کئے جب کہ فاضل مؤلف نے سب کچھ لکھ دینے کے بعد یہ تنقید کی ہے) اسی طرح ص ۴۶ پر سبب نزول کے تحت ایک واقعہ بیان کر کے رواۃ (السدی و الکلبی) پر جرح کی ہے ۔ بلکہ ان کو کذاب تک لکھا ہے اور سند روایت کو " واہ جداً " (نہایت واہیات) کہا ہے ۔ اسی طرح ص ۲۹ پر وہب بن منبہ کی ایک روایت پر تنقید بھی کی ہے ۔ مگر یہ صرف چند مثالیں ہیں ۔ جیسا کہ ابھی آگے بیان ہو گا ۔ فاضل مؤلف نے اکثر جگہ اسرائیلی روایات بلکہ بعض دفعہ لغویات اور خرافات کو بھی بغیر کسی تبصرہ و تنقید کے نقل کر دیا ہے ۔

احکام فقہیہ کے تحت اچھے اور ضروری مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں ۔ بعض جگہ استنباط احکام کے لطیف اشارات و نکات کا ذکر بھی ہے مثلاً ص ۱۱۶ پر عتق کا ایک مسئلہ اور اس کا طریق استنباط - تاہم احکام فقہیہ میں انہوں نے اپنی شافعیت کا واضح ذکر کیا ہے اور بعض جگہ مناظرانہ رنگ میں " ہماری دلیل " کہہ کر بھی بات کی ہے ' مثلاً ص ۱۰ پر بسم اللہ کی بحث میں یا اسی طرح ص ۱۱ ' اور ص ۱۲ پر بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اگر وہ صرف یہ کہہ دیتے کہ اس آیت سے فلاں نے وہ استنباط کیا ہے اور فلاں نے اس سے یہ دلیل لی ہے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا اور مؤلف کی وسعت نظر اور حریت فکر کی دلیل ہوتا (جیسے ابن رشد نے کیا ہے۔)

۶- اب ہم تصویر کے دوسرے رخ یعنی اس تفسیر کے معائب پر ایک نظر ڈالتے ہیں ۔ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس تفسیر میں بعض امور بری

طرح کھٹکتے ہیں ۔ بیشتر مقامات پر یوں لگتا ہے کہ گویا فاضل مؤلف کے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں ہے اور شاید انہوں نے یہ تفسیر کسی علمی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ ' بلکہ محض " تفریح طبع " یا " تبرک " یا حصول " ثواب " کے لئے لکھی ہے ان قابل گرفت امور کا قصہ کچھ طویل ہی ہو گا تاہم اسے بیان کرنا افادیت بلکہ دلچسپی سے بھی خالی نہیں ہے ۔

ا- کئی جگہ وہ بلا تحقیق عجیب و غریب اقوال اور روایات درج کر دیتے ہیں جن میں سے بعض عقلاً نقلاً کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوتے مثلاً :

الف - ص ۱۲ پر " الفائدہ الاولی " کے تحت " بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم " کے ارتقاء اور تطور کا قصہ لکھتے ہیں کہ " آنحضرت پہلے باسمك اللھم لکھا کرتے تھے۔ پھر سورۃ ھود کے نزول کے بعد یہ " بسم اللّٰہ " ہوا پھر سورہ الاسراء کے نزول کے بعد " بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" ہوا اور پھر سورہ النمل کے نزول کے بعدپوری "بسم اللہ الرحمن الرحیم " لکھنے لگے۔ اب قطع نظر اس بات کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھا نہیں کرتے تھے (مؤلف نے کان النبی یکتب لکھا ہے) مذکورہ بالا سورتوں کی ترتیب نزول بیان کردہ ترتیب سے مختلف بلکہ برعکس ہے ۔ یعنی بلحاظ ترتیب نزولی النمل پہلے ہے اس کے بعد الاسراء ہے اور سورہ ھود اس کے بھی کچھ عرصہ بعدنازل ہوئی تھی ۔ اگر فاضل مؤلف حکومت مصر کے مطبوعہ مصحف یا عزت دروزہ کی قائم کردہ ترتیب نزول سے ہی پڑتال کر لیتے تو روایت کا ضعف واضح ہو جاتا۔

ب- ص ۱۴ پر (فائدہ نمبر ۱۲) قیصر روم کا ایک واقعہ لکھ کر اس کے اسلام قبول کر لینے کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی صرف بسم اللہ کی شفا بخش تاثیر کی برکت سے ۔ واقعہ لکھ دینے کے بعد خود ہی واقعہ کی صحت کے بارے میں اپنے علم کی نفی بھی کر دی ہے ۔ واقعہ بداھۃً غلط معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے۔

ج- ص ۶۸ پر یہ عجیب روایت بھی لکھ دی ہے کہ حوا نے آدم کو پہلے شراب پلا کر ثمر ممنوع کھلا دیا تھا مگر اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قول یہ لکھا ہے کہ حوا آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی اور یہ کہ یہی وجہ ہے کہ تمام مردوں کی دائیں طرف اٹھارہ پسلیاں اور بائیں طرف سترہ پسلیاں ہوتی ہیں ۔ اب علم تشریح الاعضاء کا ادنی طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ مرد و عورت کی پسلی کی ساخت اور شکل میں تو شاید ایسا فرق موجود ہو جس سے کسی پسلی کی ھڈی سے مرد یا عورت کی پسلی ہونے کا پتہ چل جائے لیکن دونوں میں پسلیوں کی تعداد بارہ بارہ ہی ہوتی ہے یعنی بارہ دائیں اور بارہ ہی بائیں طرف ۔ اس کے ساتھ ہی سانپ وغیرہ والی اسرائیلی روایت مزید لکھ ڈالی ہیں اور جرم آدم کی عجیب تفتیش کر ڈالی ہے ۔

د- ص ۸۰ پر اسرائیلیوں کے خروج کے قصہ میں اور ص ۸۱ و ص ۸۲ پر عصائے موسی کے عجائبات و خصوصیات اور ص ۸۳ پر اس پتھر کی تاریخ جس پر عصا لگا تھا وغیرہ ' بلا تحقیق و تنقید روایات درج کر دی ہیں ۔

ھ - ص ۱۱۱ پر فسخ کی اقسام ثلاثہ کا بیان بھی اسی بلا تحقیق و تبصرہ نقل در نقل کی مثال ہے ۔

و - ص ۱۱۵ پر مسیحی بادشاہ کے القدس (یروشلم) کو برباد و ویران کرنے اور پھر مسلمانوں کے اسے دوبارہ آباد اور تعمیر کرنے کا ذکر کیا ہے ۔ القدس رومیوں نے برباد کیا تھا جب وہ عیسائی نہیں ہوئے تھے ' وہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے ایک آباد شہر تھا (اور عیسائیوں کا گڑھ تھا) حضرت عمرؓ اسی شہر میں تو فاتحانہ صلح نامہ پر دستخط کرنے خود تشریف لائے تھے۔

Marfat.com

ز- ص ۱۱۸ پر بحیرا راھب کے مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کرنے کا ذکر بلا حوالہ محض سبب نزول کے طور پر بیان کیا ہے۔ جو محل نظر ہے۔

ح- ص ۱۲۵ پر سوائے دس انبیاء کے باقی سب کا اسرائیل سے ہونا بیان کیا ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل کی کثرت بجا مگر یہ بیان صریح قرآنی آیات کے مضمون کے خلاف ہے جن میں ہر امت اور ہر قریہ میں بعثت انبیاء کا ذکر ہے۔ ہاں اگر صرف قرآن کریم میں مذکورہ انبیاء کی بات کرتے جب بھی بات بن جاتی۔

۲- بعض قطعاً غیر صحیح قصے محض اعجوبہ پسندی کی جبلت کی تسکین کے لئے بیان کر دیئے ہیں۔ اور سند وغیرہ کی تحقیق کرنے کی قطعاً تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ گئی۔ اس طرح بعض جگہ تفسیر سے یکسر غیر متعلق یا تفسیر کے لئے غیر مناسب اور غیر شایاں قصے بھی نقل کر دیئے ہیں مثلاً:

الف- ص ۱۸-۱۹ پر عمرو بن معدیکرب اور ایک شیخ اور اس کی لڑکی کا واقعہ (جو دراصل جن تھے) لکھ کر پورے ایک صفحہ سے زیادہ جگہ ضائع کی ہے۔

ب- ص ۲۱ پر نوشیرواں عادل کا واقعہ اور اس سے متعلق ایک حدیث نبوی بھی لکھ دی ہے جس کی صحت بہرحال تحقیق طلب ہے۔ (کم از کم جامع الصغیر میں مجھے یہ حدیث نہیں مل سکی)۔

ج- ص ۸۱-۸۲ پر عصائے موسیٰ اور "حجر موسیٰ کے عجائبات" کا بیان بھی اسی اعجوبہ پسندی کا نمونہ ہے۔

د- ص ۹۱-۹۲ پر ذبح بقرہ والے قصے کی دو عجیب و غریب بے سروپا حکایات اسی اعجوبہ پسندی کا نادر نمونہ ہیں۔ کسی تحقیق و تنقید کے بغیر یہ واقعات نقل کر دیئے گئے ہیں۔

۳- بلا وجہ تطویل بذریعہ قصص و اشعار:

Marfat.com

حالانکہ مؤلف شروع میں فضول طول سے بچنے کا عہد کر کے چلے تھے مگر وہ اسے نبھا نہیں سکے ۔ کئی جگہ قصص یا اشعار بلاوجہ اور بلا ضرورت لاتے ہیں حالانکہ فہم قرآن ان پر قطعاً منحصر نہیں ہوتا ۔ بلکہ شاید وہ اس میں سد راہ ثابت ہو سکتے ہیں ۔

الف - ص ۲۸ پر امام غزالی کے اشعار ص ۷۷ پر ابو الاسود دؤلی کے ۲۸ اشعار اور ص ۱۲۶ پر خود اپنے کسی نعتیہ قصیدے کے پورے ۲۰ اشعار نقل کر ڈالے ہیں بلکہ ص ۱۲۷ پر ۲۰ احادیث نبویہ کا نقل کرنا بھی اس عدم توازن کا مظہر ہے ۔

ب- ص ۴۱-۴۳ پر " حکایات اتخیاء و بخلاء " کا بیان کرنا اور اسی جگہ ایک سخی کی قبر کا عجیب و غریب واقعہ نقل کرنا بھی اعجوبہ پسندی کی ایک مثال ہے۔

ج- ص ٦٦ پر حاتم الاصم کے بعض واقعات غیر ضروری طوالت کے سوا کچھ نہیں - ص ۸٦-۸۸ پر حضرت سلمان فارسی کے تلاش حق اور قبول اسلام کا واقعہ گو بحوالہ ابن جریر ہی نقل کیا ہے مگر یہ اطناب و ایجاز اعتدال کا کوئی اچھا نمونہ تو ہرگز نہیں ہے خصوصاً کتاب تفسیر میں۔

۴- المعانی الاشاریہ کے تحت بعض صوفیانہ نکات یا واعظانہ اشارات کا بیان :-

فاضل مؤلف بعض دفعہ عجیب مگر غیر مفید باتیں اس عنوان کے تحت لکھ جاتے ہیں مثلاً ص ۱۲ پر فائدہ نمبر ۴ میں بحوالہ النسفی تمام کتب سماویہ بشمول قرآن کا خلاصہ بسم اللہ میں سمو دیا ہے ' اسی طرح ص ۱۲ پر فائدہ نمبر ٦ کے تحت بسم اللہ کے حروف کو اس کے حروف سے شروع ہونے والے اسماء حسنی کی مفتاح قرار دینا۔ (اس طرح ۴۵ اسماء حسنی بغیر مفتاح ہی رہ جاتے ہیں)- صفحہ ۱۴ پر یہ عجیب و غریب نکتہ (فائدہ نمبر ۱۱ میں) بیان کیا ہے کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں سے پانچ گھنٹے تو پانچ نمازوں میں لگے (اگرچہ ایک گھنٹہ فی نماز بھی محل نظر ہی

ہے) باقی انیس (۱۹) گھنٹوں کے گناہ بسم اللہ کے انیس حروف کی برکت سے معاف ہو جائیں گے ۔ ص ۱۵ پر فائدہ نمبر ۱۴ ' ۱۶ اور ۱۷ میں بیان کردہ عجیب و غریب نکات اس کے علاوہ ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ص ۱۴ پر دیئے گئے فائدہ نمبر ۱۰ اور ص ۱۵ والے فائدہ نمبر ۲۰ کے تحت حضرت ابو بکر اور خاتم رسول کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے ۔ ص ۱۷ پر فائدہ نمبر ۲۷ اور ۲۸ ' میں بیان کردہ کوے اور بچھو کی حکایات بھی اعجوبہ پسندی اور کرامات پرستی کا مظہر ہیں ۔ اسی صفحہ ۱۷ کے فائدہ نمبر ۳۰ میں بیان کردہ واقعہ سے نتیجہ بھی عجیب نکالا ہے ص ۲۷ پر فائدہ نمبر ۴ کے تحت فضائل الفاتحہ کے ضمن میں سورۃ الفاتحہ کے اندر وارد نہ ہونے والے (حروف) سات حروف سے عجیب و غریب استنباط نہ تفسیر ہے نہ فقہ نہ تصوف بلکہ نرم سے نرم الفاظ میں بھی اسے ذہنی بازی گری یا پھر " باطنیت " قرار دیا جا سکتا ہے ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس مضمون کو دوبارہ اپنے اشعار میں بیان کیا ہے اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے نکات صرف " فطاحل علماء " اور " مفکرین اذکیاء " کو ہی سوجھ سکتے ہیں ۔ سبحان اللہ۔

۵- غیر متوازن نحوی یا لغوی مباحث:

فہم قرآن کے لئے موزوں و مناسب اور ضروری لغوی و نحوی مباحث کی اہمیت اور ضرورت بیان کرنا تحصیل حاصل ہے مگر فاضل مؤلف اس معاملے میں اکثر خاموش ہی رہتے ہیں ۔ شرح مفردات کے عنوان معین کے تحت بھی وہ حرف لفظ کی بجائے لفظ (معنی مراد) لکھ دینے پر اکتفاء کرتے ہیں اور اعراب کی بحث کو تو وہ مستقل عنوان کے طور پر بیان ہی نہیں کرتے ۔ تاہم کہیں بالکل غیر ضروری صرفی نحوی امور بیان کرنے لگ جاتے ہیں جن کا فہم قرآن سے کچھ بھی تعلق نہیں بنتا مثلاً ص ۱۳ پر فائدہ نمبر ۷ کے ماتحت دس کلمات مولدہ کی فہرست اس عدم توازن کی ایک مثال ہے ۔ ص ۱۰ پر بسم اللہ کے اعراب کی ذرا سی بحث ضرور کی ہے ۔ اس کے بعد ص ۱۰۰ پر " بئس " کے قواعد کے ضمن میں الفیہ ابن

مالک کے تین اشعار بھی نقل کر دیئے ہیں ۔ کہیں کہیں کوئی اچھی بات بھی اس ضمن میں بیان ہوئی ہے مثلاً ص ۱۲۱ پر من ذریتی میں " من " سے متعلق ایک نکتہ - لغوی و نحوی مباحث میں مؤلف کا رویہ بڑا ہی غیر متوازن ہے ۔ زیادہ تر اس پہلو کو تشنہ ہی چھوڑ دیا گیا ہے ۔

مندرجہ بالا امور و شواہد کی روشنی میں اس مسودہ تفسیر کے متعلق محتاط رائے یہی دی جا سکتی ہے ۔

۱- فاضل مؤلف کے سامنے تفسیر نویسی کا کوئی واضح اور متعین لائحہ عمل یا مقصد نہیں ہے ۔ تفسیری اقوال نقل کرتے وقت انہوں نے " غث و سمین " سب کو یکجا کر دیا ہے ۔ اخذ و اقتباس پر بھی وہ کوئی واضح اور یکساں معیار ملحوظ نہیں رکھ سکے ۔

۲- فاضل مؤلف عصری مقتضیات اور جدید مباحث سے یا تو قطعاً بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انہیں چھیڑنا ہی نہیں چاہتے ۔ وہ صرف قدیم تفاسیر کے خول کے اندر ہی رہنا چاہتے ہیں اور اس میں بھی روایت اور نقل کے روایتی اور تحقیقی پہلو سے یا تو بے خبر ہیں یا دانستہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

۳- تفسیر میں متوسط (بلحاظ حجم کم از کم) راستہ اختیار کرنے کو بھی وہ نباہ نہیں سکے۔ ممکن ہے صفحوں کے لحاظ سے ان کے سامنے کوئی مقررہ معیار ہو مثلاً یہ کہ ہر جز کی تفسیر سو یا سوا سو صفحات کے اندر ہی محصور رکھنا مقصود ہو (جیسا کہ جزء اول کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے)- لیکن وہ اس حجم کے اندر بھی مباحث کا کوئی یکساں معیار اور توازن ہرگز برقرار نہیں رکھ سکے کہیں غیر ضروری تطویل ہے اور کہیں تشنگی آفرین اختصار۔

۴- فاضل مؤلف پر ادب ' شعر اور تصوف کا رنگ غالب ہے مگر ذوق کچھ

Marfat.com

زیادہ بلند نہیں ہے ۔ ادب و شعر اور وعظ و تصوف کا رنگ تفسیر میں ایک تناسب اور توازن کے ساتھ ہو تو اس کی رونق میں اضافہ کا موجب بنتا ہے بشرطیکہ معیار ذوق بلند ہو مگر یہاں وہ بھی ناپید ہے ۔

۵- تفسیر کے دوسرے تمام پہلوؤں بالخصوص جدید مباحث سے یکسر آنکھیں بند کر لینا ممکن ہے فاضل مؤلف کے نزدیک باعث حصول ثواب و تبرک ہو مگر ان کی یہ تفسیر موجودہ تفسیری ادب پر کسی خاص خلاء کو پر کرتی نظر نہیں آتی ' البتہ بعض ذہنی الجھنوں کا باعث بن سکتی ہے ۔

Marfat.com

سيرة النبى
على صاحبها الصلوة والتسليم

Marfat.com

اخلاق نبوت سے اکتسابِ فیض کی شرط اور علامت

پروفیسر صاحب موصوف کا یہ مضمون گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کے سیرت نمبر (۱۹۸۲ء) میں شائع ہوا تھا۔

خذ العفو وأمر بالمعروف و أعرض عن الجاهلين (الاعراف : ۱۹۹)۔

سیرت نگاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم ' میں سے ایک سے زیادہ نے اس سوال پر اپنے اپنے رنگ میں بحث کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کی رسالت اور اپنے آخری نبی کی بعثت کے لیے اہل عرب کو ہی کیوں منتخب فرمایا؟

مشہور مصری مؤلف لطفی جمعہ نے اپنی کتاب "ثورة الاسلام و بطل الانبياء" کا آغاز ہی اس طرح کیا ہے :

"دنیا کی تاریخ ' انسانی تمدن کی داستان اور قدیم و جدید تہذیبوں کی کہانی میں کتنے ہی قابل توجیہہ واقعات اور پہیلی یا معمہ سے بھی زیادہ حیران کن چیزیں سامنے آتی ہیں جنہیں پڑھ کر یا سن کر آدمی محو حیرت رہ جاتا ہے—— اور اسی قسم کے ناقابل فہم معموں میں سے یہ چیستاں بھی ہے کہ آخر اللہ نے انوار نبوت و رسالت کی تجلی گاہ بنانے کے لیے جزیرۃ العرب کو ہی کیوں منتخب کیا؟" (لطفی ص ۷)۔

اور کچھ آگے چل کر اہل عرب کا عموماً اور قریش کا خصوصاً حوالہ دیتے ہوئے یہی سوال دہرایا ہے :

" آخر اللہ تعالیٰ نے باقی ساری مخلوقات کو چھوڑ کر ان لوگوں ہی کو کیوں

Marfat.com

اس دین کا سرچشمہ اور اس کا مرکز و منبع بنانے کے لیے چن لیا ؟ (لطفی ص ۳۸)۔

اسی طرح سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کی جلد چہارم میں "عربوں کی خصوصیات اور خیر الامم بننے کی صلاحیت" کے عنوان سے ایک باب میں اس سوال کے جواب سے بحث کی ہے۔ اس موضوع پر تازہ ترین اور بہترین بحث مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "نبی رحمت" میں کی گئی ہے۔ جس کے ایک باب کا عنوان ہے :

" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟"--- اس قسم کے سیرت نگاروں نے اپنی اپنی دانش کے مطابق اس انتخاب ربانی کے لیے اہل عرب کے دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ اہل اور مستحق ٹھہرنے کے مختلف اسباب یا نکات گنوائے ہیں۔ مگر ان سب میں مشترک چیز اہل عرب کی بعض خاص خاص اخلاقی خوبیوں کا ذکر ہے۔ جس نے ان لوگوں کی فطرت سلیمہ کو مسخ ہونے سے بڑی حد تک محفوظ رکھا۔

--- یہ سوال کہ آخر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی تمام مہذب اور متمدن قوموں کو چھوڑ کر عرب کے ان گمنام نشینوں کو اس منصب عظیم کے لیے کیوں چن لیا؟ اگر یہی نبی ہندوؤں ' بدھوں ' یہودیوں یا چینیوں ' ایرانیوں اور رومیوں میں سے کسی ایک قوم میں مبعوث کر دئے جاتے تو کیا وہی نتائج حاصل نہ ہوتے اور ویسا ہی انقلاب برپا نہ ہو جاتا جو اہل عرب کے ذریعے سے ہوا ؟ --- جو وقت کی "بڑی طاقتیں" (Super Powers) تھیں کیا ان میں سے کوئی بھی "بہترین" امت بننے کے فرائض سر انجام نہیں دے سکتی تھی ؟

--- بظاہر یہ سوالات لغو نظر آتے ہیں اس لیے کہ مصالح کلیۂ الھیہ کا احاطہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور اسی لیے خود قرآن کریم نے اس مسئلہ پر یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ:

" اور اللہ سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کا یہ پیغام کہاں اور کس کے حوالے کیا جائے"۔ (الانعام ۱۲۴)۔

تاہم اس انداز فکر سے غالباً ایک اور سوال کا جواب سامنے آ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں آج اللہ کی کتاب اور اس کے آخری نبی سے انتساب اور اسلام کے نعرہ ہائے بے حد و حساب اور ان کے فیوض و برکات سے اکتساب کی علامات کیوں نایاب ہوتی جا رہی ہیں؟ کیا ہم کہیں عہدِ جاہلیت کے یہود و ہنود یا روم و عجم کی طرح بعض ایسی بنیادی اقدار سے تو منحرف نہیں ہو گئے جن کو نبوت سے اکتساب فیض کی شرط قرار دیا جا سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اہل عرب کی جس طرح کایا پلٹ دی وہ عجائبات تاریخ کا سب سے بڑا عجوبہ ہے۔ عربوں کی اس قلب ماہیت اور تاریخ عالم کے اس سب سے حیرت انگیز انقلاب کی اہمیت اور عظمت اور اس کے نتائج کی ہمہ گیری اور وسعت کو سمجھنے کے لیے سیرت نگار ظہور اسلام کے وقت دنیا بھر کی عموماً اور اہل عرب کی خصوصاً دینی ' معاشی ' سماجی اور اخلاقی حالت بلکہ ان سب حالتوں کی ابتری کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ہمارے موضوع کا تعلق اخلاقی حالت سے ہے۔

عجمی یعنی غیر عرب اقوام کی ناگفتہ بہ اخلاقی حالت کا بیان یوں تو کم و بیش سیرت یا تاریخ کی ہر ایک کتاب میں مل جاتا ہے لیکن ان تمام اخلاقی خرابیوں کی اصل وجہ کا تجزیہ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب " حجۃ اللہ البالغۃ" میں کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کی مثال کم ملتی ہے۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے زمانے کی اصطلاحات اور دور کے رسم و رواج کی زبان میں بات کی ہے مگر معناً یہ بڑی حد تک آج ہم پر منطبق ہوتی نظر آتی ہے بلکہ اس میں ہماری اخلاقی بیماری کی صحیح تشخیص نظر آتی ہے۔ حضرت دہلوی کا یہ بیان اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ان کے بعد آنے والے مؤلفین کو اس موضوع

Marfat.com

(چھٹی صدی مسیحی میں اقوام و مذاہب عالم کی حالت) پر لکھتے ہوئے جدید یورپی مطبوعات و تالیفات سے استفادہ اور دائرہ ہائے معارف کے ذریعے اپنی معلومات میں اضافہ کا موقع ملا جن کا شاہ صاحب کے زمانے میں کہیں وجود تک نہ تھا اس لحاظ سے ان کا یہ بیان تاریخ اور فطرت انسانی کے بارے میں ان کے علم لدنی کا مظہر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس ساری تحلیل و تفصیل سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تعیش پسندی ' تن آسانی اور دنیوی لذائذ و مفاخر کی خاطر تمام اخلاقی قدروں کو پامال کرنے والے لوگوں کے لیے بحیثیت ایک قوم یا ملت کے (کیونکہ غیر معمولی افراد کی قلیل تعداد تو ہر جگہ ممکن ہے) نبوت سے اکتساب فیض کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں خصوصاً اس درجے کا اکتساب جس سے خیر الامم بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ہر گز ممکن نہیں ہوتا--- اور شاید یہی وجہ تھی کہ مشیت الٰہی نے ان اقوام کو اس منصبِ عظیم کا اہل نہ سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔

اب دوسری طرف اگر اہل عرب یعنی ان لوگوں کے قبل از اسلام رزائل و فضائل پر ایک نظر ڈالیں ' جو فیضان نبوت کی بدولت بہترین امت بن گئے ' تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دینی حالت تو ناگفتہ بہ تھی ہی ان کی اخلاقی حالت بھی سخت دگرگوں تھی۔ اور سیرت نگاروں نے بجا طور پر اسے "شب ظلمت"، "عرب کا تاریک دور" اور "فساد بر و بحر" وغیرہ عنوانات کے تحت اس کی کیفیت بیان کی ہے۔

یہ لوگ بغض و انتقام' سنگدلی و سفاکی ' چوری اور رہزنی' قتل و غارت' بے حیائی و بدتمیزی' زنا و فواحش' نسبی تعصب و غرور 'قمار بازی' شراب نوشی اور دختر کشی و سود خوری میں قریب قریب ضرب المثل تھے۔ اور ان سب معائب کی تفصیل سے ادب و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

Marfat.com

لیکن سب معائب اور ساری خرابیوں کے باوجود مختلف عوامل نے ان کے اندر بنیادی اور اصولی اخلاق کے احساس کو بالکل مردہ نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ محاسن اخلاق سے یکسر معریٰ نہ تھے بلکہ اخلاقی تعلیمات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے نظام اخلاق کے بدترین اجزاء میں بھی اخلاق حسنہ کی ایک جھلک موجود تھی۔ شراب نوشی اور قمار بازی ' فیاضی اور سخاوت کا مظہر تھی۔ دختر کشی کا رواج غیرت کا نتیجہ تھا۔ اور قبائلی عصبیت در اصل قومی حمیت کی ہی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ غیرت ' پابندی عہد' شجاعت ' فیاضی اور صلہ رحمی ان کے معروف اخلاق تھے۔ اسی طرح وہ معروف (بھلائی)' امانت' راست گوئی اور پاکدامنی کو کرم الخلق اور خصال الخیر میں شمار کرتے تھے۔ اور جس آدمی میں یہ صفات پائی جاتی تھیں اسے توقیر و تکریم کا مستحق سمجھتے تھے۔

یہ درست ہے کہ ان کے ہاں اخلاق حسنہ کی بنیاد زیادہ تر شہرت طلبی' حب جاہ اور ناموری پر تھی۔ تاہم ان کے اخلاق و اعمال میں ایسے عناصر و اجزاء بھی شامل تھے جنہیں اسلام نے بھی محاسن و مکارم شمار کیا --- مشہور حدیث "خیارکم فی الجاهلية خیارکم فی الاسلام اذا فقهوا" میں اس تحویل قبلۂ اخلاق" کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ دوسری جگہ خود حدیث میں ہی خیارکم کی تفسیر "خیارکم احسنکم اخلاقاً" سے کی گئی ہے۔

دور جاہلیت کے جن واقعات و حوادث میں اہل عرب خصوصاً اہل مکہ کے اخلاقی محاسن کی ایک واضح جھلک نظر آتی ہے۔ اُس کی ایک مثال تاریخ نے "حلف الفضول" کی صورت میں محفوظ رکھی ہے۔ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر منعقد ہونے والے اسی حلف میں (جس کی وجہ تسمیہ جو بھی ہو) شامل ہونے والے قریش کے بعض خانوادوں کے نمائندوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ مکہ میں ظلم و بے انصافی کے واقعات کو محض غیر جانبدار مبصر یا خاموش تماشائی کو حیثیت سے نہیں دیکھیں گے۔ ایک مظلوم کی عملی اور ٹھوس مدد کیا کریں گے۔

Marfat.com

یہ حلف جسے سیرت نگار "اکرم حلف و اشرفه سمع به فی العرب" (عربوں کی تاریخ کا سب سے شریفانہ اور بہترین معاہدہ) قرار دیتے ہیں۔ ابن ہشام کے مطابق اس کے اغراض و مقاصد یوں تھے :

"انہوں نے عہد و پیمان باندھا کہ مکہ میں مقامی یا غیر مقامی جس آدمی پر بھی وہ کوئی ظلم ہوتے دیکھیں گے تو وہ سب مل کر مظلوم کی مدد کریں گے اور ظالم کو مجبور کر دیں گے کہ وہ مظلوم پر کیے گئے ظلم کی پوری پوری تلافی کرے (سیرت ابن ہشام)۔

کہا جا سکتا ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ اس معاہدے کا دائرہ نفاذ بہت محدود تھا۔ اس کا مقصد صرف حرم مکہ میں مظالم کی روک تھام تھا۔ اور اس کا فائدہ بھی بلآخر اہل مکہ ہی کو تھا۔ تاکہ حرم کی عزت و حرمت لوگوں کے دلوں سے کم نہ ہونے پائے لیکن کیا اپنے وطن عزیز کے کسی ایک شہر بلکہ کسی ' گاؤں میں بھی اس طرح کا کوئی ادارہ یا تنظیم قائم ہے ؟ چلیے اپنے وطن یا شہر کی ساکھ کی خاطر ہی سہی --- حالانکہ ایسا کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔

پھر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس معاہدہ کے شرکاء نے اپنی بات کو صدق دلی اور بے لاگ منصفانہ قوت کے ساتھ نافذ بھی کیا تھا (تفصیل کے لیے دیکھئے ابن کثیر جلد اول ص ۶۱-۲۵۹)۔

آج یو این او اور سلامتی کونسل تک میں مہذب ترین لوگ انصاف اور حق کو کس طرح اپنی سیاسی مصلحتوں پر قربان کر دیتے ہیں' اسے سامنے رکھیں تو حلف الفضول منعقد کرنے والوں کی اخلاقی قوت ' ان کی فطرت سلیمہ کا وزن اور ان کے اندر خیر الامم کے ہراول دستوں میں شمولیت کے شرف کی اخلاقی استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

آقائے دو جہاں خود بھی (بعمر بیس سال) عربوں کے اس سب سے شریفانہ معاہدہ میں شامل ہوئے تھے۔ آپ اس معاہدہ سے بہت خوش تھے اور

Marfat.com

بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف و تحسین کی۔

الغرض اگرچہ اہل عرب کی خوبیاں بھی جاہلی رذائل کے خس و خاشاک میں دب کر رہ گئی تھیں۔ تاہم یہ ثابت ہے کہ ان میں بعض نہایت اچھے اخلاقی اوصاف موجود تھے۔ کم ازکم حفاظت حق اور اعانت مظلوم کی حد تک تو آج کی متمدن ترین اقوام بھی ابھی تک عرب جاہلیت سے کچھ نیچے ہی کے درجے پر ہیں۔

اہل عرب کی مثال ایک ایسی زرخیز زمین کی تھی جو کاشت و نگہداشت کے نہ ہونے کے باعث خود رو خاردار جھاڑیوں کا جنگل بن گئی تھی۔ ان میں خیر کے سوتے اٹ ضرور گئے تھے مگر بالکل خشک نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک ایسا بیج تھے جو قوت نمو سے محروم نہیں ہوا تھا۔ ہادی برحق نے اس قوم کے ان اخلاقی محاسن کو ترتیب دے کر مکارم اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ واقعی وہ ایک طرح سے اس کے اہل اور حق دار ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وکانوا احق بها واهلها (الفتح : ٢٦)۔

ہمارے اس موقف کہ نبوت سے اکتساب فیض کے لیے اخلاقی خوبیاں ایک شرط کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سب سے پہلے مسلمان ہونے والے لوگ اخلاقی محاسن کے مداح بھی تھے اور ان سے متصف بھی۔

سب سے پہلے ام المومنین خدیجہؓ کا معاملہ دیکھیے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی پاکبازی کے باعث "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں :

" وہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی پاکیزگی اور پاکدامنی کے باعث طاہرہ کہہ کر پکاری جاتی تھیں"۔

حضرت خدیجہؓ نے نکاح سے قبل ایک عورت کے ذریعے آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ معلوم کرنے کے بعد آپ کو گھر میں بلوایا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنا رشتہ خود پیش کیا:

"اے میرے چچا زاد! میرے اندر آپ کی طرف میلان کئی وجوہ سے پیدا ہوا ہے۔ ازاں جملہ یہ کہ آپ سے میری (برادری کی) رشتہ داری بھی ہے۔ آپ اپنی قوم میں صاحب عزت بھی ہیں۔ ان سب پر مستزاد آپ کی امانت ' اخلاص اور راست گفتاری ہے۔"

پہلی وحی کے نزول اور بعثت کے ابتدائی ایام میں جو واقعات و حالات پیش آئے تھے ان کی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دی تھی:

"ہرگز نہیں بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا آپ رشتہ داری کا پاس لحاظ کرتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ محتاجوں کے کام آتے ہیں مہمان نواز ہیں اور راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں"۔

مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے ان کے بارے میں سیرت نگار لکھتے ہیں کہ آپ ایک با اخلاق اور نیک دل تاجر تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قبل اسلام اخلاقی محاسن کی ایک گواہی ابن الدغنہ کے بیان سے ملتی ہے یہ واقعہ یوں ہے کہ قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو بکر الصدیق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر غالباً حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے مکہ مکرمہ سے دو ایک دن کے فاصلے پر انہیں ابن الدغنہ ملا (اصل نام سبیعہ بن رفیع تھا اور وہ اس وقت احابیش کا سردار تھا جو ایک مجموعہ قبائل تھا) اس نے پوچھا تم کہاں چلے ؟ جب انہوں نے بتایا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے اور انہوں نے مجھے بہت ہی

Marfat.com

اذیت پہنچائی ہے اور سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ تو ابن الدغنہ نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بخدا آپ تو قبیلہ کے مایۂ ناز فرزند ہیں آپ مصیبت زدگان کی مدد کرتے ہیں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں حصہ لیتے اور محتاجوں کے کام آتے ہیں۔ واپس چلیے میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں"۔

ہم ان مثالوں پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ تمام "سابقین اولین" صحابہؓ میں قبل از اسلام ہی کسی نہ کسی خالص اخلاقی خوبی کے وجود پر دلالت کرنے والے واقعات مل سکتے ہیں۔

اور شاید اہل عرب کی محاسن شناسی اور محاسن پذیری کی اس صلاحیت اور اعمال و اخلاق میں حسن و جمال کی ستائش کی اہلیت کی بنا پر ہی ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کے محاسن و فضائل کے جمال بے مثال میں سے آپ کے ہم وطنوں کو سب سے پہلے آپ کے "خلق عظیم" ہی کی وہ جھلک دکھائی جس نے ان کے دل موہ لیے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از بعثت ہی اپنے نام کے بجائے الصادق اور الامین کے لقب سے پکارا جانا تو سیرت کے مبتدی طالب علم کو بھی معلوم ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حضور کے صاحبِ خلق عظیم ہونے کا تعلق آپ کی قبل از بعثت زندگی سے ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ اخلاقیات نبوی کے کسی بھی بیان میں آیت کریمہ "وانك لعلى خلق عظيم" (کہ آپ کی اخلاقی عظمت تو یقیناً ایک مسلمہ امر ہے) کو کورس کے بند کی حیثیت حاصل ہے۔ اس آیت سے اور اس کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے مشہور حدیث "كان خلقه القرآن" (کہ آپ کا اخلاق تو قرآن تھا) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کے اخلاق کی تشکیل اور مکارم کی تکمیل قرآن کریم کے ذریعے اور اس کے مطابق ہوئی۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ "وانك لعلى خلق عظيم" سورۃ

Marfat.com

القلم کی چوتھی آیت ہے اور اس بات پر قریباً سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ سورۃ القلم بلحاظ نزول قرآن کریم کی دوسری یعنی بالکل ابتدائی دور کی مکی سورت ہے اور یہ آیت مبارکہ (وانك لعلی بخلق عظیم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر سب سے پہلی عقلی دلیل ہے جو قرآن پاک نے پیش کی۔

(اس مضمون کی دوسری آیات جو سورہ یونس اور سورۃ العنکبوت میں آئی ہیں وہ بھی مکی دور کی ہیں مگر بعد کی ہیں)۔

قرآن حکیم کا آپ کے خلق عظیم کو بطور دلیل پیش کرنے سے مدحیہ پہلو کے علاوہ چند مزید امور سامنے آتے ہیں ازاں جملہ :

اولاً یہ کہ اہل مکہ (جو جاہلیت عرب کے رذائل و فضائل کے نمائندہ قرار دیئے جا سکتے ہیں) میں اتنی عموماً اخلاقی حس ضرور تھی کہ وہ اخلاقی عظمت پر مبنی اس استدلال سے قائل کیے جا سکتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضورؐ کے اخلاق عالیہ کی طرف یہ بلیغ اشارہ کرنے کے بعد اسی سورت کی اگلی آیت (۱۰ تا۱۴) میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو آدمی مجموعہ رذائل ہو ' چاہے وہ کتنا ہی صاحب جاہ و مال ہو اسے ہیچ سمجھو۔ فرمایا :

" ہرگز نہ دبو اس شخص سے جو قسمیں کھانے والا ' پست فطرت ' طعنہ جو ' چغل خور ' مانع خیر ' دھاندلی باز ' بدعمل ' جفاکار اور ساتھ ہی بداصل بھی ہے محض اسی بنا پر (چوہدری بنا پھرتا ہے) کہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے۔ (القلم : ۱۰-۱۴)۔

معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبین "خلق عظیم" اور ان آیات میں بیان کردہ "رذائل تسعہ" کے تغایر و تباین کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ اس آیت (وانك لعلی خلق عظیم) کے مضمون اور اس کے زمانۂ نزول کو سامنے رکھنے سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ آنحضرت قبل از بعثت ہی صاحب خلق عظیم تھے۔

Marfat.com

محمد عزت دروزہ لکھتے ہیں :

" اور یہ خلق عظیم جس کی بنا پر آنحضورؐ اس ثنائے ربانی کے مستحق ٹھہرے۔ اس سے آپ یقیناً قبل از بعثت آراستہ ہو چکے تھے بلکہ اسی چیز نے آپؐ کو اس برگزیدگی اور اس منصب عظیم کا اہل بنا دیا تھا اور یوں تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کے لیے کون اور کتنا موزوں ہے"۔

یوں لگتا ہے کہ قرآن کریم نے آنحضورؐ کے خلق کی تشکیل یا تکمیل نہیں کی بلکہ اسے تدریجاً نمودار کیا ہے۔ قرآن و سنت میں اخلاقیات پر جو کچھ بھی بیان ہوا ہے وہ صرف آنحضرت کے خلق عظیم کے خدوخال کی مکمل تصویر کشی ہے۔ اور اسی لیے آپ کی ذات گرامی کو امت کے لیے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا۔ خود اسوہ کے لفظ میں عمل اور کمال کی موجودگی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

ثالثاً یہ کہ--- اتنی بات تو ہم سب کو معلوم ہے کہ نبوت محمدی (علی صاحبہا السلام) کی صداقت پر جملہ عقلی و نقلی دلائل کی تبلیغ و اشاعت مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ اس کے لیے عہد رسالت اور قرن اول کی طرح آج بھی دنیا کے سامنے صرف آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو معجزوں کو پیش کرنا کافی ہے۔ ایک قرآن دوسرے اخلاق النبی ۔ ابتدائے اسلام میں جو بھی مسلمان ہوا وہ یا قرآن سن کو متاثر ہوا یا نبی کا خلق عظیم دیکھ کر ۔ اہلِ مکہ خلق محمدی کا مشاہدہ کر سکتے تھے --- ما بعد النبی ادوار میں دنیا کو اس کا مشاہدہ کرانے کی ذمہ داری امت پر ہے کہ ایک طرف اخلاقیات نبوی سے متصف اور متخلق ہونا ہر مسلمان پر (حسب استطاعت) فرض عین ہے اور دوسری طرف اخلاقیات نبوی کا مطالعہ اور اس کی تبلیغ و اشاعت سب مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

رابعاً یہ کہ --- آج بھی اسلام کی تبلیغ ان ہی لوگوں میں اور ان ہی قوموں میں زیادہ مفید اور مؤثر ہو گی جن کی اخلاقی حس زندہ ہے۔ نیز یہ کہ

Marfat.com

اسلام کی اشاعت کے لیے اس کے غلبہ کا دور ثانی لانے کے لیے اور فیوض و برکات نبوت کو پھیلانے کے لیے صرف اور صرف گرمی گفتار ' پروپے گنڈا اور اشتہار یا محض مذاکرے اور سیمینار نہیں بلکہ اس کے ساتھ سب کے مشاہدہ و تجربہ میں آنے والی زبردست اخلاقی قوت درکار ہو گی۔ اسلام جہاں بھی پہنچا ہے زیادہ تر صلحائے امت کے اخلاق و کردار کی بدولت پہنچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا سے ہی صرف اخلاقی نظریاتی تعلیم نہیں بلکہ عملی اخلاق پر زور دیا۔ اور توحید ' رسالت ' آخرت پر ایمان کی طرح محاسن اخلاق سے عملاً مزین ہونا مسلمان کی ایک لازمی خصوصیت یا بالفاظ دگر نبوت سے اکتساب فیض کی علامت قرار دیا ' یوں تو قرآن کریم کی متعدد آیات اور عہد رسالت کے بکثرت واقعات اور صحابہ کرام کے کارنامہ ہائے حیات میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے مگر ابتدائی دور کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف دو واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱- حضرت ابو ذر غفاریؓ پہلے پانچ یا سات مسلمانوں میں سے ہیں۔ انہوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بارے میں سنا تو اپنے بھائی کو دریافت احوال کے لیے مکہ بھیجا۔ اس نے واپس جا کر آنحضورؐ کے بارے میں بھائی کو یہ رپورٹ دی تھی :

"وہ بھلائی کا حکم دیتا ' برائیوں سے منع کرتا اور مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے"۔

یہاں اخلاق کے ضمن میں "تعلیم" یا "تلقین" یا "تبلیغ" وغیرہ کی بجائے "امر" کا لفظ قابل غور ہے۔ اخلاق کا تعلق محض فکر و دانش سے نہیں قوت عمل سے ہے یہ کچھ پڑھنے کی مشق نہیں بلکہ کچھ کرنے کی تربیت کا نام ہے۔

۲- ہجرت حبشہ ۵ نبوی میں ہوئی۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے اپنے معروف خطبہ میں جس طرح جاہلیت کی تصویر کشی کرنے کے

Marfat.com

ساتھ اسلام کا تعارف کرایا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور اصلاح عقائد کا کام ساتھ ساتھ اور ابتداء ہی سے شروع ہو گیا تھا بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ نبوت سے اکتساب فیض کے بعد مسلمانوں کے عقائد و افکار کے ساتھ ان کے اعمال اور اخلاق میں کیا تبدیلی آ جاتی تھی۔ اس خطبہ کے جستہ جستہ فقرے قابلِ غور ہیں:

کہا: "اے بادشاہ! ہم پروردۂ جاہلیت قوم تھے' بتوں کو پوجتے' مردار کھاتے اور بے حیائیوں میں مبتلا تھے۔ رشتہ داروں کا حق مارتے تھے اور ہمسایوں کو دکھ دیتے تھے' اور ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو پھاڑ کر کھا جاتا پھر اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے خاندان' حسب نسب اور جس کی سچائی' امانت اور پاکبازی سے ہم پہلے واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو ایک اللہ پر ایمان لانے اور صرف اسی کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور انہوں نے ہم کو سچ بولنے' امانت ادا کرنے' رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنے' پڑوسی سے حسن سلوک کرنے' ناجائز اور حرام باتوں اور خونریزی سے پرہیز کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کاموں' جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے منع فرمایا پس ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی جو انہوں نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام مانا اور جو انہوں نے حلال بنایا اس کو حلال تسلیم کیا"۔ (سیرت ابن ہشام)۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق کی اہمیت یوں بھی واضح فرمائی بعض دفعہ آپ زمانۂ جاہلیت کے اصحاب مکارم و محاسن کی قدردانی فرماتے اور ان کے اخلاقی کردار کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔

عبداللہ بن جدعان (بانی حلف الفضول) کو آپ نے کتنی دفعہ تعریف بھرے الفاظ سے یاد فرمایا حالانکہ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ جس آدمی نے (ایمان لا کر) زندگی میں ایک دفعہ بھی --- اللھم الغفرلی خطیئتی یوم الدین' نہ کہا ہو اس کی مغفرت کیسے ہو؟

Marfat.com

اس قسم کا ایک واقعہ حاتم طائی کی بیٹی کا ہے وہ اسیر ہو کر جنگی قیدیوں کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے آنحضورؐ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی۔

"حضور میرا باپ ہلاک ہو گیا اور فدیہ گزار نہ رہا اگر یہ مناسب جانیں تو مجھے رہا کر دیں اور قبائل عرب میں میری بے عزتی نہ ہونے دیں میں اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ لوگوں کو مصیبت سے نکالتا تھا وہ نیک شہرت کا مالک تھا۔ مہمان نوازی کرتا تھا اور بھوکوں ننگوں کی ضروریات پوری کرتا تھا اور اس نے کبھی کسی حاجت مند کو خالی نہیں جانے دیا' میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بچی یہ باتیں (جو تو نے بیان کیں) یہی تو ٹھیک ٹھیک اہل ایمان کی صفات ہیں۔ اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لئے دعائے رحمت بھی مانگتے۔ پھر حکم دیا اسے رہا کر دیا جائے کیونکہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بھی مکارم اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔

یہ سن کر ایک صحابی ابو بردہ بن نیار کھڑے ہوئے اور سوال کیا: "یا رسول اللہ کیا مکارم اخلاق آپ کو (اس قدر) پسند ہیں؟" تو آپ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کوئی ایک آدمی بھی جنت میں حسن عمل کے بغیر نہیں جائے گا"۔

جب بھی ہم مکارم اخلاق اور اخلاقیات نبوی کی بات کرتے ہیں تو اس وقت ہمیشہ تعمیر کردار کا مثبت پہلو مراد ہوتا ہے۔ اس درجہ کے حصول کے لیے منفی پہلو یعنی رذائل سے اجتناب ضروری ہے۔ سزا اور مذمت و ملامت سے بچنا ایک بات ہے مگر انعام اور مدح و ثناء کا حقدار ٹھہرنا عظیم تر بات ہے۔ قرآن کریم میں تعمیر اخلاق کے ان دو مراحل کو ہی "اجتناب کبائر" اور "مسابقة الی الخیرات" سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا: "جن باتوں سے تم کو منع کیا جاتا

Marfat.com

ہے اگر تم ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو تمہارے چھوٹے موٹے قصور محو کر دیں گے اور تم کو مقام عزت پر جگہ دیں گے"۔

ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات اور ہر ایک (مقام) کا ایک مرکز توجہ (یا مطمح نظر) ہوتا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتی ہے۔ سو تم نیک کاموں میں سبقت لے جانے کی تگ و دو کرو۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تربیت اور تکمیل کے لیے اس ترتیب اور تدریج کو ملحوظ رکھا۔ آپ نے سب سے پہلے ان اصولی اور بنیادی اخلاق پر زور دیا جو کم و بیش ہر معاشرے کے سلیم الفطرت افراد میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے افراد میں اسلام کی طرف ایک فطری کشش موجود ہوتی ہے اور ایسے شخص میں نبوت سے اکتساب فیض کی ایک شرط یا اہلیت اور فطری استعداد موجود ہوتی ہے۔

دوسرے درجے پر وہ لوگ آتے ہیں جن میں پہلے سے یہ شرط یا وصف اخلاق عملاً موجود نہ تھا نبی سے متعلق ایمان قائم ہو جانے یعنی اسلام کو قبول کرنے یا اسلام کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ہی یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اب وہ کم از کم ان بنیادی اور اصولی اخلاق کی پابندی لازماً اختیار کریں۔ اسلام لانے کے بعد ' مسلمان کہلانے کے بعد بھی اخلاق کا روز بروز بہتر نہ ہونا اگر مطلق ایمان کے فقدان کا نہیں تو کم از کم نبوت کے فیض سے محرومی کا نشان ضرور ہے۔

آنکہ از صدیق و امانت بے خبر روز تمہید رسالت بے خبر
کار او گفتار بے کیف عمل او نیام علم بے سیف عمل
لذت ایمان فزاید در عمل مردہ آں ایمان کہ ناید در عمل

(اقبال)

نبوت سے اکتساب فیض کا بلند ترین مرتبہ مکارم اخلاق ہیں جنہیں مقصود بعثت نبوی کہا گیا ہے۔

Marfat.com

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (وفی روایة) و محاسن الاعمال۔

میں مکارم اخلاق کو یا محاسن اعمال کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

مگر مسلمان ہوتے ہوئے بھی مکارم اخلاق کے اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ سکنا فیض نبوت سے یکسر محرومی نہ سہی "کم نصیبی" کی علامت ضرور ہے علامہ اقبالؒ نے رموز بے خودی میں گداگر کے واقعہ میں اپنے باپ کی نصیحت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

آنکہ مہتاب از سر انگشتش دو نیم — رحمت او عام و اخلاقش عظیم
از بہارش رنگ بو باید گرفت — بہرہ از خلق او باید گرفت

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم اللہ کے ہاں اپنا درجہ و مرتبہ معلوم کرنا چاہو تو بس یہ دیکھ لو کہ تمہارے دل میں اللہ کا درجہ کیا ہے؟ اتنا ہی اس کے ہاں تمہارا درجہ ہے۔ اسی طرح اگر یہ دیکھنا ہو کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہمارا کیا درجہ ہے ؟ (کیونکہ مصطفیٰ سے بعد ہی تو بولہبی ہے) تو یہ دیکھ لینا چاہئیے کہ ہم نے اخلاقیات نبویؐ سے کتنا حصہ پایا ہے؟

Marfat.com

سیرت مصطفیٰ ﷺ میں عصر حاضر کیلئے پیغام

" قول و فعل میں مطابقت کی ضرورت اور اہمیت ☆

یایها الذین امنو لم تقولون ما لا تفعلون . کبرمقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون . (الصف:۲—۳)

منار رشد و ہدایت سحاب رحمت وجود
مرے رسولؐ کا اسوہ ' مرے نبی کا وجود (تائب)

بادی النظر میں اس کانفرنس کا مرکزی موضوع "سیرت مصطفیٰ ﷺ میں عصر حاضر کے لئے پیغام" اس لحاظ سے کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ آنحضور ﷺ تو خدا کا آخری اور مکمل پیغام پہنچا چکے ۔ ۲۳ برس آپؐ نے اپنے قول فعل سے اللہ کے پیغام کی اس طرح تبلیغ فرمائی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر "الاهل بلغت؟ کہہ کر لاکھوں کے مجمع سے اس حقیقت پر اور اپنی صداقت پر گواہی لے لی ۔ اور پھر " فلیبلغ الشاهد الغائب" فرما کر قیامت تک کے لئے اللہ کے پیغام کو آگے پہنچانے اور پھیلانے کے لئے تمام مسلمانوں کو خود اپنا پیغامبر مقرر فرما دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے بھیجے ہوئے اس پیغام کو لفظاً و معناً قرآن کریم اور صاحب خلق قرآن کی سیرت ۔ یعنی کتاب و سنت کی صورت میں محفوظ رکھنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا اور چودہ سو برس اس وعدہ کی صداقت پر شاہد عدل ہیں ۔

☆ پانچویں قومی سیرت کانفرنس ؛ جنوری ۱۹۸۱ء؛ اسلام آباد .

Marfat.com

کتاب و سنت سے ملنے والا یہ پیغام اور یہ ہدایت ' تمام انسانوں اور سب زمانوں کے لئے ہے ۔ پھر عصر حاضر کے لئے اب کوئی نیا پیغام دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جو بعض دوسرے مسائل سے زیادہ نمایاں اور زیادہ توجہ طلب ہوتے ہیں یا کچھ خرابیاں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں باقی سب خرابیوں کا سبب بھی کہا جا سکتا ہے اور بعض دفعہ ان کا مجموعی نتیجہ بھی ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عصر حاضر کے مسائل میں انفرادی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ہر جگہ " امن و سکون کا فقدان " پہلے نمبر پر آتا ہے ۔ اس عالمی اضطراب و بے چینی کے اسباب بھی متعدد ہیں اور مظاہر بھی ۔ آج کے انسان کو انفرادی سطح پر حب جاہ و مال سے اجتناب اور زہد و سادگی اختیار کرنے کی تلقین یا اجتماعی سطح پر توسیع پسندی اور استعماری عزائم کی بجائے امن اور سلامتی کی تدابیر بتانے کی ضرورت ہے ۔ آج انسان دوستی' صلح پسندی ' رواداری ' اتحاد و یگانگ ' عدل و مساوات احترام حریت ' فروغ علم و حکمت اور خدمت خلق وغیرہ موضوعات پر بات کرنا وقت کی پکار ہے ۔ اور ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر سیرت مصطفیٰ ﷺ میں واضح پیغام اور کافی و مکتفی رہنمائی موجود ہے۔ مگر کیا ہم ہر ملک و ملت کے مختلف قدو قامت کے لیڈروں اور اس وقت کی عالمی سٹیج کے تمام مدعیان " انما نحن مصلحون" سے ان ہی مذکورہ مسائل و موضوعات پر دھواں دھار بیانات ' داد طلب اعلانات اور مسحور کن مگر کھوکھلے پیغامات شب و روز نہیں سنتے رہتے ؟اور اس کے باوجود انسانیت اور شرافت ہے کہ ایک جان بلب مریض کی طرح اپنے نوسرباز معالجوں کی لفظی بازیگریوں سے لحہ بہ لحہ مایوسیوں میں گری جا رہی ہے ۔ اگر آج کے زعمائے سیاست اپنے بین الاقوامی معاہدوں ' اپنے تلاش امن و آشتی کے دعووں اور دین و مذہب کو خیر چھوڑئے ۔ صرف یو. این . او کے چارٹر

Marfat.com

میں اپنے دستخطوں سے دئے گئے وعدوں کی پابندی ہی اسی روح اور جذبہ سے کرتے جس کی مثال رحمۃ للعالمین اور رؤف رحیم نبی ﷺ نے صلح نامہ حدیبیہ کے ضمن میں قائم فرما دی تھی تو آج انسانیت اطمینان کا سانس لے رہی ہوتی ۔ عصر حاضر کے عالمی اضطراب کی وجہ تشخیص اور علاج سے نادانی نہیں ۔ بلکہ اس کا اصل سبب ان " مستبصرین " کی نیتوں کا فتور اور دلوں کا کھوٹ ہے ۔ یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہو گا کہ عصر حاضر کا سب سے بڑا روگ اور سب سے بڑا مسئلہ دراصل " قول و فعل کی ثنویت اور گفتار و کردار کی دورنگی" ہے ۔ جس میں اس دور کے عوام اور خواص سب ہی مبتلا ہیں۔

ہادی برحق محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت پاک اور آپؐ کی لائی ہوئی کتاب کی تعلیمات کی روشنی میں اس موضوع پر گفتگو کرنا میرے نزدیک وقت کی نہایت اہم بات ، مضطرب اور بے چین انسانیت کے لئے پیغام نجات اور خود مسلمانوں کے لئے درس حیات ہے ۔ قول و فعل میں مطابقت کی تاکید اور اس کے برعکس گفتار و کردار کی دورنگی یا منافقت سے تحذیر پر ' قرآن و سنت کی تعلیمات پیش کرنا ' میرے نزدیک کئی وجہ سے اہم ہے :-

۱- اولاً : تو اسی لئے کہ قول و فعل کی دورنگی عصر حاضر میں ایک وباء کی صورت اختیار کر گئی ہے بلکہ بدقسمتی سے اسے عیب کی بجائے ہنر ، معیار دانشوری اور گویا "فلاح کی راہ " سمجھا جانے لگا ہے ۔ گاؤں اور محلوں کے چوہدریوں سے لے کر ملکوں کے حکمرانوں تک اور علاقائی رہنماؤں سے لے کر یو این او کے اجارہ داروں تک ہر جگہ یہی برائی ہر طرح کے " وڈیروں " کی امتیازی صفت بن گئی ہے اور یہی خرابی باقی تمام خرابیوں اور مسائل کے جنم کا سبب یا پھر ان کی بقاء کا موجب بنی ہوئی ہے۔

Marfat.com

۲- ثانیاً: ایک وجہ میرے اس موضوع کو اختیار کرنے کی یہ بھی ہے کہ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درخشاں پہلو سب سے پہلے دنیا نے دیکھا وہ یہی قول و فعل کی مطابقت ہی تو تھا۔ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں نے آپؐ کو الصادق اور الامین کا لقب کیوں دیا تھا ؟ صدق اور امانت کا دارومدار اور بلند معیار قول و فعل میں ادنی تفاوت کے نہ ہونے پر ہی تو ہے۔

۳- ثالثاً: آنحضرتؐ نے سب سے زیادہ دکھ اور پریشانی جماعت منافقین کے ہاتھوں ہی سہی۔ ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبیرہ گناہ ہے اور اس کا نفاق کے ساتھ گہرا تعلق ہے تو پھر سوچنے کی بات ہے کہ کہیں ہم اپنے قول و فعل کے اس تضاد سے ایذاء رسولؐ کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

۴- رابعاً: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایسی جماعت تیار فرمائی جس کے ظاہر و باطن کی یکسانیت اور قول و فعل کی مطابقت ہی تو اسلام کے غلبہ اور اس کی اتنی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اشاعت کا سبب بنی کہ ادیانِ عالم کی تاریخ میں کہیں اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔

شاید یہ کہا جائے کہ قول و عمل کی مطابقت کوئی ایسی بات نہیں ہے جو صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مختص ہو۔ یہ بات تو کم و بیش تمام مذاہب اور جملہ ادیان کے مسلمات میں سے ہے اور سب ہی ہادی اور پیشوا یہی تعلیم دیتے رہے۔ ہاں یقیناً تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی تعلیمات میں یہ بات بھی شامل تھی۔ صرف تعلیمات میں ہی نہیں بلکہ بالفعل ان کے اقوال و اعمال میں کہیں بھی اختلاف یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء

Marfat.com

معصوم تھے۔ انبیاءؑ کے ضمن میں عصمت کا مفہوم اگرچہ وسیع ہے اور تمام احکام و قضایا بھی اس میں شامل ہیں۔ تاہم قول و فعل کی مطابقت بھی تو عصمت یا معصومیت کا ہی ایک پہلو ہے۔ جب چھوٹا بچہ بھولے پن سے یہ کہتا ہے کہ "ابو کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں ہیں"۔ تو یہ اسی معصومیت کا ایک مظہر ہوتا ہے ' جو ہر انسان کی فطری میراث ہے اور جسے وہ بہت سی دوسری فطری خوبیوں کی طرح ' سن شعور میں کھو بیٹھتا ہے۔

اور یہ کوئی ضروری بھی تو نہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پیغام کوئی نیا انکشاف ہی ہو۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " نحن معشر الانبیاء دیننا واحد" فرما کر جملہ ہادیانِ عالم کے اصل منبع ہدایت کے وحدت کی خبر بھی دے دی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر بحث معاملے میں بھی یہ فضیلت ضرور حاصل ہے کہ آپؐ نے قول و فعل کے تضاد کی مختلف صورتوں مختلف شعبہ ہائے حیات مثلاً تجارت ' صنعت ' حکمت' معاشرت اور عبادت وغیرہ سے اس کے تعلق اور اس ضمن میں پیش آنے والے بعض نفسیاتی مغالطوں تک کی مکمل وضاحت فرما دی ہے۔

آیئے اب اس موضوع سے متعلق کتاب و سنت کی تعلیمات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱- قرآنِ کریم کے شروع ہی میں سورۃ البقرہ میں انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر ہے۔ مومن مخلص ' کافر جاحد اور منافقِ مطلق ' قلبی نفاق تو قول و عمل کی ' دانستہ اختیار کردہ ' شعوری اور ارادی ' دورنگی ہے اور یہ قول و فعل کے تضاد بلکہ زبان اور دل کی عدم رفاقت کی بدترین صورت ہے۔ نفاق ' کفر اور اسلام کے درمیان ایک ایسی ریاست ہے۔ جہاں سے اسلام میں کفر سمگل ہونے کا کام جاری رہتا ہے۔ اسی لئے نفاق کی اس قسم یعنی نفاق قلبی کے اسباب و علامات اور اس کے علاج یا

Marfat.com

ہولناک انجام (فی الدرك الاسفل من النار)کے متعلق قرآن حکیم میں بالتفصیل بات ہوئی ہے۔ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قول و فعل کا تضاد اگر سوچی سمجھی دورنگی کی بجائے صرف ضعفِ ایمان یا قوت ارادی کی کمزوری کے باعث ہو تو بھی اسے نفاق ہی کہا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا ماحصل اور معیار یعنی صفتِ تقویٰ ہے اور یہ اسی انسانی کمزوری یعنی نفاقِ عملی اور قول و فعل کے تضاد کو کلیتہً مٹانے (اتقوا الله حق تقاته) کے مطابق یا اسے زیادہ سے زیادہ کم کرنے اور (فاتقوا الله ما استطعتم) کے مطابق گھٹانے کا نام ہے۔

۲- قرآن کریم نے کتاب ہدایت کے علمبرداروں اور تلاوت گزاروں میں بھی قول و فعل کا تضاد پائے جانے کو سخت بے عقلی کا کام بتایا ہے۔ "أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب ' أفلا تعقلون"۔ اور یہ شاید اسی لئے کہ لوگ اسے دانشمندی اور ذہانت کا مظہر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

۳- قرآن مجید نے شعروشاعری کے مذموم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شعراء کی آوارگی فکر اور عمل سے پہلو تہی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ "والشعراء يتبعهم الغاون الم ترانهم فی كل واد يهيمون وانهم يقولون مالا يفعلون" علامہ اقبال نے اپنا نام لے کر در اصل شعرو شاعری کی اسی عام خرابی یعنی اس کے "کارِ بیکاراں" ہونے کا مضمون یوں باندھا تھا۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا وہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

۴- قرآن حکیم کی سورۃ الصف کی دو آیتوں میں تو خاص کر قول بلا فعل

کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض اور قابل نفرت بات قرار دیا گیا ہے۔ "یایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا مالا تفعلون" بعض نکتہ رس مفسرین مثلاً زمخشری، رازی اور قاسمی وغیرہ نے اس آیت میں کلمہ "مقت" کے اختیار کیئے جانے کی بنا پر (جو بذات خود اپنے اندر انتہائی نفرت اور شدید ناپسندیدگی کے وسیع معنی رکھتا ہے) اور مزید کبر اور عند اللّٰہ اور پھر لما تقولون مالا تفعلون کی تکرار کی وجہ سے اسے قول و فعل میں تضاد کی شدید اور ہمہ جہت قدمت کا ایک فصیح و بلیغ نمونہ قرار دیا ہے۔ عمل کی نیت یا ہمت نہ ہو تو پھر محض ڈینگیں مارنا یا پرفریب نعرے لگاتے پھرنا تو کوئی خوبی نہ ہوئی۔

۵- سورہ ہود میں حضرت شعیبؑ کی زبان سے "وما ارید ان اخالفکم الی ما انھلکم عنہ" کی عبارت میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اپنے عمل سے اپنے ہی قول کی نفی کرنا خدا کے پسندیدہ بندوں کا طریقہ ہرگز نہیں ہوتا۔

۶- سورۃ آل عمران کی ایک آیت میں "یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا" کے مصداق لوگوں یعنی مفت کی شہرت کے طلبگاروں کے لئے، سزا سے نجات کے راستے بند ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ (فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب)۔

یہ تو تھیں وہ آیات جن میں قول اور فعل یا ان کے ہم معنی الفاظ استعمال کر کے انسانی کردار کی اس پستی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ظاہر و باطن اور سر و جہر کی ہم آہنگی اور مطابقت پر جو زور دیا گیا ہے۔ اس کا تعلق بھی اس موضوع سے ہے۔ مثلاً :

Marfat.com

(۱) وذروا ظاهر الاثم وباطنه

(۲) انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن

(۳) والله یعلم سرکم وجهرکم ویعلم ما تکسبون.(وغیر ذلك من الایات)

احادیث نبویہ میں بھی اسی مضمون کو مختلف پیرایہ ہائے بیان سے واضح کیا گیا ہے۔ دعوتِ فکر کے ساتھ چند احادیث پیش خدمت ہیں :

۱— عن سفیان بن أسید عن النبی صلی الله علیه وسلم قال کبرت خیانة ان تحدث اخاك حدیثا هو لك به مصدق وانت له کاذب. (التاج جلد ٥ ص ٤٣ بحواله ابوداؤد)

۲— عن عبدالله (بن عمرؓ) عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ما من نبی الله فی امة قبلی إلا کان له من امته الحواریون واصحاب یاخذون بسنته ویقتدون بأمره ثم انها تخلف من بعدهم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاهدهم بیده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهد هم بقلبه فهو مومن ولیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل. (رواه مسلم (التاج جلد ٥ ص ٤٥ بحواله مسلم).

۳— عن اسامة بن زید (رضی الله عنهما) قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یجاء بالرجل یوم القیامة فلیقی فی النار فتندلق اقتابه فی النار فیطحن فیها کطحن الحمار برحاة فیجتمع اهل النار علیه فیقولون: أی فلان ماشأ نك؟ أالیس کنت تامرنا بالمعروف وتنهانا عن المنکر؟ قال کنت أمرکم بالمعروف ولا آتیه وانهاکم عن المنکر وآتیه (متفق علیه) (مشکوة ج۲ حدیث ٥١٣٩ کتاب الآداب).

Marfat.com

عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال۔ رأيت ليلة اسرى بى رجالا تقرض شفاههم بمقاريض من نار۔ قلت من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء خطباء امتك يامرون الناس بالبر وتنسون انفسهم۔۔۔ وفى رواية قال: خطباء من امتك الذين يقولون مالا يفعلون ويقرؤن كتاب الله ولا يعملون (مشكوٰة حديث ٥١٤٩)۔

ان کے علاوہ متعدد احادیث نبویہ میں عبادات و معاملات کے ان جوانبوں اور گوشوں کی خصوصاً نشان دہی کی گئی ہے جہاں اس انسانی کمزوری یا کردار کی اس خرابی کا عموماً مظاہرہ ہوتا ہے۔ مثلاً بیع و تجارت (غش) مواثیق و معاہدات (نقض) اور معاشرت و مخاصمت (گروپ) وغیرہ میں۔ کتاب و سنت میں جہاں جہاں بھی ریاء، بخل، بزدلی، خیانت، جھوٹ فریب، تلون، خوشامد پسندی اور سستی شہرت کی طلب وغیرہ رذائل کی مذمت و ممانعت آئی ہے سب کا تعلق بنیادی طور پر قول و فعل کے تضاد سے ہی ہے۔

صرف یہی نہیں قرآن و سنت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قول و فعل میں مطابقت بھی اگر خلوص نیت پر مبنی نہیں تو وہ بھی مردود ہے۔ قرآن کریم میں مرض قلب، زیغ قلب، رین قلب وغیرہ الفاظ سے باطن کی اسی خرابی کا ذکر ہوا ہے۔ اسلام کے اصول اولین توحید کے بیان کے لئے قرآن کریم کی جامع تر سورت کا نام "الاخلاص" رکھا گیا ہے سورہ الاسراء میں ایک جگہ نیت کے حسن و قبح کے نتائج یوں بیان ہوتے ہیں۔

"من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلها مذموما مدحورا ومن اراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن فاولئك كان سعيهم مشكوراً۔

اعمال میں نیت کی خرابی سے واقع ہونے والی بربادی کے بارے میں متعدد احادیث اورعہد نبوی کے بعض واقعات بھی سیرت اور حدیث کی کتابوں

میں بیان ہوئے ہیں ۔ یہاں صرف ایک قدرے طویل حدیث بیان کی جاتی ہے جسے مسلم ' ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے (بحوالہ التاج جلد ا ص ۵۷' ۵۸)۔

عن ابی هريرةؓ عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : إن اول الناس يقضى يوم القيامة عليه .(۱) رجل استشهد فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال: فما عملت فيها؟ قال: قاتلت فيك حتى أستشهدت . قال كذبت ولكنك قاتلت لأن يقال جرى فقد قيل . ثم أمربه فسحب على وجهه حتى ألقى فى النار.(۲) ورجل تعمل العلم وعلمه وقرأ القرآن فأتى به فعرفه نعمه فعرفها . قال: فما عملت فيها ؟ قال: تعلمت العلم وعلمته وقرأت فيك القرآن. قال كذبت ولكنك تعلمت العلم ليقال عالم وقرأت القرآن ليقال هو قارى فقد قيل. ثم امر به فسحب على وجهه حتى ألقى فى النار . ورجل وسع الله عليه واعطاه من أصناف المال كله . فأتى به فعرفه نعمه فعرفها قال: ما عملت فيها؟ قال: ما تركت من سبيل تحب أن ينفق فيها إلا انفقت فيها لك . قال كذبت ولكنك فعلت ليقال هو جواد فقد قيل . ثم أمربه فسحب على وجه ثم ألقى فى النار.(مسلم' ترمذی ' نسائی بحواله التاج' ج۱ ص ۵۸)۔

گویا جہاد - تعلیم و تعلم اور انفاق مال ایسے اعمال جلیلہ بھی حسن نیت اور اخلاص کے بغیر مردود ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمان کا ہر عمل اور ہر قول "للہ" اور "فی اللہ" کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے ۔ یہاں صرف قول و فعل ہی میں نہیں بلکہ ان کے ساتھ نیت اور اخلاص کی ہم آہنگی بھی ضروری ہے ۔

قلب ' لسان اور جوارح میں سے کسی ایک پرزے کی خرابی ' کردار و سیرت کی پوری مشینری کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے ۔ باقی دنیا کو جانے دیجئے ہم مسلمانوں اور خصوصاً پاکستانی مسلمانوں کو نبی ﷺ کی لائی اور دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ اپنے قول و فعل کے تضاد کے باعث ہم کس

انجام کی طرف رواں دواں ہیں؟ ہم اسلام کو سب سے اعلیٰ و ارفع نظریہ حیات کہتے ہوئے بھی اسے عملاً آج تک نہ اپنا سکے۔

جب ساری دنیا نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا اس وقت ہم نے دین و سیاست کی یکجائی کا نرالا نعرہ بلند کر کے دشمنوں کو تو چوکنا کر دیا اور خود ایک تہائی صدی سے اپنے دین کو سیاست کا تابع مہمل بنانے کی مساعی میں لگے ہوئے ہیں۔

لڑ گئے غیر سے مذہب کا لگا کر نعرہ
اور خود اپنے لئے کفر سے نیت باندھی

زندگی کے ہر شعبے میں دین کے اقتدار کے قائل ہوتے ہوئے ہم نے عملاً دین کو پرائیویٹ سے بھی کچھ دور تر کر دیا ہے۔

اتباع شریعت کے دعوے بھی ہیں
روح شیدائے تقلید افرنگ بھی

پاکستان کے اہم رسائل و جرائد خصوصاً جو سرکاری یا نیم سرکاری اہتمام سے چھپتے ہیں۔ ان میں گزشتہ تیس برسوں میں شائع ہونے والے صرف "سیرت نمبروں" میں عید میلادالنبی ﷺ کے موقع پر ایوان ہائے حکومت سے جاری ہونے والے پیغامات اور بیانات کا مطالعہ کیجئے! اللہ اکبر! کیسے کیسے لوگوں نے کیا کیا دیا کھیان دئے؟ (ولکن کانوا انفسھم یظلمون) اور ذرا اسی مدت کے اخبارات کی صرف وہ سرخیاں اور خبروں کے عنوانات جمع کیجئے جن کا آخری حرف کسی "صیغۂ وعدہ" کا "گا، گے، گی" تھا اور پھر دیکھئے کہ ہم کہتے کیا رہے اور کرتے کیا رہے؟ بوصیری نے سچ کہا تھا۔

استغفر اللہ من قول بلا عمل　　لقد نسبت بہ نسلا لذی عُقم

آج ہمارے دفاتر میں (الا ما شاء اللّٰہ) خلوص اور محنت سے زیادہ "خانہ پری" کا جذبہ کارفرما ہے۔ ہماری تجارت، ہماری برآمدات، ہمارے ٹھیکے اور ٹنڈر،

Marfat.com

ہماری صنعت و حرفت' ہماری دانش گاہیں حتی کہ خدمت خلق کے ادارے بھی کونسی ایسی جگہ ہے جہاں قول و فعل کا تضاد موجود نہیں ہے جس چیز کو اللہ عزوجل نے اپنے مقت اور غضب کا نشان بتایا، اسے اپنا کر کیا ہم واقعی کہیں غضب الہی میں گرفتا تو نہیں ہو گئے؟ اس سے بڑھ کر اور غضب کیا ہو گا ؟ کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا۔ کوئی کسی سے مطمئن نہیں ہے۔ ہماری تقریریں اور وعظ کیوں بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ قول و فعل کے تضاد کا زہر ہے جو ہر شے کو برباد کئے جا رہا ہے ۔

ہمارے نبی ﷺ ' ان کے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے صوفیہ اور صلحاء نے تو اپنے قول و فعل کی ہم آہنگی سے اسلام کو ساری دنیا کے لئے جاذب نظر بنا دیا مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اپنے مطالعہ کی بنا پر اسلام کو دین حق سمجھ جانے والے لوگ بھی ہماری صفوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں ۔

اسلام بذات خود ندارد عیبے
ہر عیب کہ ہست از مسلمانی ماست

اور اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

بروں آ از مسلماناں گریز اندر مسلمانی
مسلماناں روا دارند کارفرما جرائی ہا

آج اجتماعی سطح پر ہماری یہ حالت ہے کہ :-

راہ بتائیں اور کو آپ پھریں گمراہ
مشعل جن کے ہاتھ نہیں انہیں نہ سوجھے راہ

اور انفرادی سطح پر اپنی ساری تعلیم و تہذیب اور روشن خیالی کی نمائش کے باوجود عالم یہ ہے کہ :

اجلے سر کے کیس ہیں من کالک کا ڈھیر
باہر چھائی چاندنی اندر گھپ اندھیر

صحابہ کرامؓ میں سے بعض تو اپنے دل کے وسوسوں سے بھی خائف رہتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ سے اپنی اس روحانی اور نفسیاتی الجھن تک کا حل طلب کرتے تھے۔(بعض اکابر کی احتیاط کے بارے میں مروی ہے کہ وہ وعظ اور تقریر سے گھبراتے اور عذر یہ پیش کرتے' "تامرنی ان اقول مالا افعل فاستعجل مقت اللہ عزوجل" مگر ہماری جسارتوں کا یہ عالم ہے کہ نیت کی باریکیوں اور ضمیر کی گہرائیوں کو چیک کرنا تو درکنا اپنے قول و فعل کے صریح تضاد پر بھی کبھی پشیمان نہیں ہوتے ۔ پشیمان ہوں تو توبہ نہ کر لیں تو بہ پشیمانی ہی کا تو نام ہے۔ " انما التوبة الندم " (حدیث)

مسلمان کا سب سے پہلا' سب سے بڑا اور سب سے انقلاب انگیز قول کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان ہے۔ جب اس قول کو ہی دل میں جگہ نہ دی۔ جب اپنے ظاہرو باطن کو اس کے مطابق نہ ڈھالا ' جب اپنے عمل اور کردار میں "الوہیت" اور "رسالت" پر ایمان کے تقاضوں کی کوئی جھلک پیدا نہ کر سکے۔ جب خدا اور رسولؐ کے ساتھ بھی معاملہ زبانی جمع خرچ تک محدود رہا تو عام انسانوں کے ساتھ قول وفعل کے تضاد میں خرابی کیسے نظر آئے؟ جلسوں جلوسوں کے نعرۂ ہائے تکبیر کو چھوڑیئے' ہم تو باقاعدہ پانچ وقت اذانوں میں ساری دنیا کے سامنے " اللہ اکبر " کا اعلان کرتے رہتے ہیں مگر ہمارے اعمال و افعال میں اللہ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کوئی احساس بصورت تقوی وخشیت نظر نہیں آتا۔

قول و فعل کے اس تضاد کو دور کرنے یا نہ کرسکنے پر ہی ہمارے ' دینی ضمیر کی زندگی یا موت کا دار و مدار ہے ۔ اگر اس دینی ضمیر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی تو پھر سارے ترقیاتی پروگرام مل کر بھی ہمیں برے انجام سے نہیں بچا سکیں گے ؟

Marfat.com

دنیا کو تسخیر کر' ذرّے کا دل چیر
لیکن پہلے صاف کر اپنا پاک ضمیر

قول و فعل کا تضاد جتنا کم ہوتا چلا جاتا ہے اتنا ہی مسلمان اپنی اس اصلی "منزل ترقی و کمال" سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے جہاں وہ "لا الہ کی مشکلات" کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے' اور جہاں ہزار خوف بھی اس کی زبان کو دل کا رفیق ہونے سے روک نہیں سکتے۔

☆☆☆

Marfat.com

ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وإیتاء ذی القربی وینھی عن
الفحشآء والمنکر والبغی ۔ یعظکم لعکم تذکرون (النحل / ۹۰)

کی روشنی میں

اسلام کا نظام عدل و احسان اور برائیوں کا انسداد

☆ آیت زیب عنوان کے مقتضیات اور مضمرات کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بطور تعارف اس کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔
"بے شک اللہ حکم فرماتا ہے عدل (و انصاف) کا' احسان (اور بھلائی) کا اور قرابت داروں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے ' ناپسندیدہ (کاموں) سے اور ظلم (و زیادتی) سے --- وہ تم کو سمجھاتا ہے امید ہے کہ تم یاد رکھو گے"(۱)

☆ زندگی (انفرادی ہو یا اجتماعی) کی سلامتی اور کامیابی کے لئے چند بنیادی واجبات (Dos) اور ممنوعات (donts) کا تعین کئے بغیرچارہ نہیں ۔ اور مفرد اوامر (Dos and Donts) کے اس مجموعے کا حسن و کمال اس بات میں ہوتا ہے کہ اختصار اور جامعیت پر مبنی ہو۔ اور اسی اختصار اور جامعیت کا حیرت انگیز امتزاج اس آیہ کریمہ میں نظر آتا ہے۔ کہنے کو صرف تین اوامر اور تین ہی نواہی کے عنوان بیان ہوئے ہیں۔ مگر ایک ایک عنوان اتنا جامع ہے اور زندگی کے اتنے مسائل اور اتنے گوشوں پر حاوی ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اور بجا طور پر یہ آیت ایک مستقل تالیف کی محتاج ہے ۔

☆ اور غالبًا اسی لئے کتب تفسیر میں اس آیت کے بارے میں بعض اہم

Marfat.com

شخصیتوں کے تبصرے --- بلکہ بعض مخالفین کے اعترافات بھی مذکور ہوئے ہیں جو اس آیت کے موضوع کی اہمیت اور اس کے الفاظ کی جامعیت پر دلالت کرتے ہیں --- اور جن کو بقول امام فخر الدین رازی اس آیت کے فضائل کہہ سکتے ہیں ۔ اس قسم کی آراء اور اقوال اگر آیت میں بیان کردہ اوامر اور نواہی کی تفصیل و تفسیر کے بعد لکھے جائیں (جیسے الطبری الزمخشری اور آلوسی نے کیا ہے) تو یہ ایک تبصرہ اور جائزہ کا کام دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو شروع میں بیان کر لیا جائے (جیسا کہ مثلاً الرازی اور المراغی نے کیا ہے) تو یہ چیز مضامین آیت کے فہم کے لئے تشویق اور ذہنی آمادگی کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم ابتداء ہی اختصار کے ساتھ اس قسم کی روایات اور واقعات میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

۱- صاحب کشف الاسرار نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خود آنحضور ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا:-

"جماع التقوی فی القرآن . ثم تلا هذه الایه"

کہ قرآن میں تقوی کے بیان پر سب سے جامع آیت ---(یہ)---ہے اور پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی (۴)۔

۲- جلیل القدر صحابی عبداللہ ابن مسعودؓ کا اس آیت کے بارے میں یہ قول --- الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ ۔ قریب قریب ہر مفسر نے بیان کیا ہے کہ "اجمع آیۃ فی القرآن للخیر والشر هذه الآیه"۔ یعنی قرآن کریم میں بھلائی اور برائی کے بیان میں سب سے جامع آیت یہی ہے (۵) ۔

۳- آیت کی جامعیت کے بارے میں اس سے ملتا جلتا ایک قول امام الحسن ابن علیؓ سے بھی مروی ہے (۶)

۴- قریش کے مشہور سردار الولید بن المغیرہ (جسے اسلام سے سخت عداوت

Marfat.com

تھی) کے بارے میں عکرمہ تابعی کے حوالے سے یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ جب آنحضورؐ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اسے دوہرانے کو کہا۔ دوبارہ سہ بارہ سنا اور سر دھنتے ہوئے بولے " واللّٰہ ان له لحلاوة وان عليه لطلاوة---(الخ)

۵- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو شیبان بن ثعلبہ کے سردار مقرون بن عمرو نے جب آپؐ سے یہ آیت سنی تو بے اختیار کہہ اٹھا۔ " دعوت واللّٰہ الی مکارم الاخلاق و محاسن الاعمال ولقد افك قوم كذبوك و ظاهروا عليك"(بخدا آپ تو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپؐ کو جھٹلایا اور آپ کی مخالفت پر تل گئے ہیں ان کی تو مت ماری گئی ہے)(۸)۔

۶- اکثم بن صیفی (جس کا شمار عرب کے بڑے داناؤں میں ہوتا تھا) نے اپنے دو آدمی خاص طور پر آنحضورؐ کے پاس بعض معلومات کیلئے بھیجے۔ ان آدمیوں نے یہ آیت سنی اور دہرا دہرا کر یاد کر لی۔ واپس جا کر (دوسری باتوں کے علاوہ) جب اکثم کو یہ آیت سنائی تو اس نے کہا "انی لأراه يأمر بمكارم الاخلاق و ينهى عن مذامها فكونوا فى هذا الامر راساً ولا تكونوا اذ ناباً "(میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیغمبرؐ تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتا ہے۔ اور تمام کینہ اور کھٹیا اخلاق و اعمال سے روکتا ہے۔ اور پھر اپنے لوگوں سے کہا --- تم اس سلسلہ میں سربنو اور دم نہ بنو۔ یعنی تم اس کے ماننے میں جلدی کرو پیچھے نہ رہ جاؤ) (۹)۔ چنانچہ وہ اپنے سو آدمیوں کے ساتھ قبول اسلام کے لئے مدینہ روانہ ہوا مگر راستے میں فوت ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کیا اور یہ واقعہ سنایا تو اسی کے بارے میں آیت " ومن يخرج من بيته مها جراً الى اللّٰه ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع

Marfat.com

اجرہ ملی اللّٰہ " (النساء-۱۰۰)نازل ہوئی(۱۰)۔

۷- مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کا یہ واقعہ اصحاب سیر اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ کس طرح وہی آیت ان کے دل میں ایمان کے اترنے اور آنحضرت ﷺ کی محبت پیدا کرنے کا سبب بنی۔ کیونکہ وہ محاسن اخلاق کے دالدادہ تھے اور اس آیت کی تعلیم نے ان کو بہت متاثر کیا ـــ البتہ کتابوں میں واقعہ کی تفصیلات مختلف طرح سے بیان ہوئی (۱۱)۔

۸- قتادہ تابعی کا ایک طویل قول بھی بہت سے مفسرین نے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام اخلاقی محاسن کا حکم دیا ہے جسے عرب جاہلیت میں بھی محاسن شمار کرتے تھے اور ان تمام زوائل سے منع کیا ہے جن کو جاہلیت میں مذموم سمجھا جاتا تھا (۱۲)۔

☆ مندرجہ بالا روایات میں یہ جو "اخلاقی حس" کو اپیل کرنے والی بات ہوئی ہے اس سے ایک تو اس آیت کی تعلیمات کی آفاقیت اور عالمگیریت کا پتہ چلتا ہے ـــ دوسرے یہ کہ عرب جاہلیت میں ساری خرابیوں کے باوجود مکارم اخلاق کی عظمت اور محبت موجود تھی۔ اس موضوع پر کتب سیرت کے مؤلفین نے " حضورؐ کی بعثت عرب میں کیوں ہوئی" ؟ کے عنوان سے بات کی ہے یہاں صرف اتنا بتا دینا مقصود ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں سے بیشتر زمانۂ جاہلیت میں بھی مکارم اخلاق سے مزین تھے۔ فی الواقع مکارم اخلاق (جو آیت زیر مطالعہ کا موضوع ہے) نبوت سے اکتساب فیض کی شرط بھی ہیں اور علامت بھی۔

۹- خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے خطبۂ جمعہ کے آخر میں بالالتزام اس آیت مبارکہ کے پڑھے جانے کا حکم دیا تھا۔ اس زمانے سے آج تک یہ آیت دنیائے اسلام کے ہر حصے میں خطبۂ جمعہ کے ایک جزء کی

Marfat.com

حیثیت سے پڑھنے کا رواج چلا آتا ہے۔ اور دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان کم از کم ہفتہ میں ایک دفعہ (بروز جمعہ) مسجد کے منبر سے یہ آیت سنتے ہیں ۔ مگر اس کے معانی سے آگاہی حاصل کرنے اور اپنے کردار کو اس آیت کے آئینے میں دیکھنے ـــ بلکہ ایک طرح سے اس ہفتہ وار "یاد دہانی" کے باوجود اپنی پڑتال آپ یعنی محاسبہ نفس کرنے ـــ پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

☆ حکومت پاکستان نے سیرت طیبہ کی مناسبت سے ـــ اور "بعثت الاتمم مکارم الاخلاق" کی رعایت سے اس آیت مبارکہ کو بطور موضوع منتخب کر کے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ خدا کرے یہ مقالات سیرت قوم کے اندر اسی آیت کی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے محرک ثابت ہوں ۔

معانی اور مفاہیم کے بارے میں اہل علم کے اقوال و آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہیں :-

ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی

آیت کی ترتیب کے مطابق پہلے ہم ان تین اوامر یا واجبات کی بات کرتے ہیں یعنی عدل ' احسان ' ایتاذی القربی

ا- العدل

عدل کے بنیادی لغوی معنی برابری اور مساوات کے ہیں۔ اور ان معانی کے لحاظ سے ہی قرآن میں آیا ہے"وھم بربھم یعدلون" (الانعام:۱۵۰) " وہ اپنے پروردگار کے ساتھ بھڑاتے ہیں یعنی شرک کرتے ہیں" اس طرح "اوعدل ذلك صیاماً (المائدہ:۹۵) یا اس کے برابر یا اس کے عوض روزے رکھنا وغیرہ۔ ان بنیادی معنوں کو سامنے رکھتے ہوئے مفسرین نے عدل کی تعریف اس طرح کی ہے:

Marfat.com

۱- هو التوسط بین طرفی النقیض ۔ وهو ضد الجور (۱۳)" دو مخالف انتہاؤں کے ٹھیک درمیان یعنی یکساں فاصلے پر ہونا --- اور اس کی ضد "جور" ہے جس کے معنی ہیں ایک طرف مڑ جانا ۔

۲- هو مراعاة التوسط بین طرفی الافراط والتفریط.وهو رأس الفضائل(۱٤)" افراط و تفریط (انتہائی کمی اور انتہائی بیشی' کے درمیان (رہنے کا) خیال رکھنا اور یہ خیر (عدل) تمام فضائل کی جڑ ہے ۔

۳- هو التوسط والتویة فی الحقوق فیما بینکم و ترك الظلم و ایصال کل ذی حق حقه(۱۵)"یعنی باہمی حقوق میں ٹھیک ٹھیک انصاف اور برابری ملحوظ رکھنا اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچانا اور ظلم نہ کرنا" ۔

۴- هو ایتاء حقوق الخلق کلهم(۱٦)یعنی تمام مخلوق کے حقوق بے لاگ طریقے سے دینا ۔

۵- الانصاف بین الخلق والتعامل بالاعتدال الذی لیس فیه میل ولا عوج(۱۷) مخلوق میں انصاف کرنا اور ایسے اعتدال و توازن کے ساتھ معاملہ کرنا جس میں کسی قسم کا جھکاؤ یا کجی اور ٹیڑھ نہ ہو ۔

۶- هو ان ینصف و ینتصف (عدل) یہ ہے کہ انصاف دے بھی اور انصاف لے بھی لے یعنی نہ کسی پر ظلم کرے نہ اپنے اوپر ظلم ہونے دے ۔

۷- هو ایصال الحق الی مستحقه وهو وضع الشئ فی محله وهو میزان الله فی الارض(۱۹)
حق کو حق دار تک پہنچانا اور ہر چیز کو ٹھیک اس کی جگہ پر رکھنا اور یہ عدل زمین میں گویا اللہ کی ترازو ہے۔

☆ یوں تو لفظ "عدل' اردو میں بھی متعارف ہے تاہم عموماً اس کا ترجمہ "انصاف" یا "اعتدال" کیا جاتا ہے اور دونوں میں قدر مشترک "افراط و تقریط سے

Marfat.com

بچنا اور ٹھیک درمیانی راہ اختیار کرنا " ہے خیال رہے کہ لفظ انصاف اردو میں "تنصیف" (نصف نصف کر لینا) کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ یہ انگریزی لفظ (Justics) کے ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

☆ عدل بمعنی انصاف کرنا۔ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کے ساتھ اتنی نیکی ضرور کرو جو اس سے کم نہ ہو اور جو تم سے برائی کرے اس کے ساتھ صرف اتنی ہی "برائی" کر لو اس سے زیادہ مت بڑھو۔ یعنی نیکی کرنیوالے کے ساتھ ویسی نیکی کرنا اور برائی کرنے والے کے ساتھ ویسی ہی برائی کرنا۔ یہ بھی عدل ہے اور حلال ہے(۳۰) (بخوائے آیہ "وجزآء سیئة سیئة مثلها (الشوری:۴۰) یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی (جائز) ہے۔ اور یہی مضمون(البقرہ: ۱۹۴' النحل: ۱۲۶ اور الشوری:۴۱ میں بھی ہے) ۔ تاہم فضیلت "احسان" کی ہے جس کا ذکر ابھی آگے آئیگا۔

☆ اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کسی سے برائی نہ کی جائے نہ قولی نہ فعلی نہ ظاہری نہ باطنی ۔ ہر شخص کو اس کے حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ انصاف ایک طرح سے پوری انسانیت کی امانت ہے جسے بلاتمیز و استثناء ہو ایک حق دار تک پہنچانا چاہیے ۔

☆ قرآن کریم میں عدل کی بلند ترین صورت کو "قسط" بھی کہا گیا ہے جس کا اردو ترجمہ "ٹھیک ٹھیک انصاف کرنا" کیا جا سکتا ہے۔ اور اس "ٹھیک ٹھیک انصاف" کرنیوالوں (مقسطین کا اللہ کے محبوب بندے ہونیکا ذکر قرآن کریم میں ایک سے زیادہ جگہ ہے یعنی " ان اللّٰه یحب المقسطین (المائدہ ۔ ۴۵) ' الحجرات: ۹ اور ممتحنہ : ۸) اس کے علاوہ قرآن کریم عدل اور قسط کی طرف کئی طریقوں سے توجہ دلاتا ہے مثلاً ۔

☆ کہیں تو بصیغۂ امر حکم دیا گیا ہے جو وجوب کا مقتضی ہوتا ہے جسے "واقسطوا" (الحجرات: ۹) قسط سے کام لو اور "اعدلوا" (المائدہ:۸) یعنی

عدل سے کام لو اور "واذا قلتم فاعدلوا" (الانعام: ۱۵۲) کہ بولنے میں بھی عدل سے کام لو۔

(۲) بعض جگہ "کہیں بے انصافی نہ کر بیٹھو" کی صورت میں خطرے سے آگاہ کیا گیا ہے جیسے فلا تتبعوا الھوىٰ أن تعدلوا (النساء : ۱۳۵) "خواہشات کے پیچھے مت لگو کہیں عدل سے نہ ہٹ جاؤ اور لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا (المائدہ:۸) کسی گروہ کی رنجش تم کے بے انصافی پر آمادہ نہ کرنے پائے۔

(۳) اور کہیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت عدل اور قسط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا دو ٹوک حکم دیا گیا ہے جیسے "واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" (النساء: ۵۸) اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور وإن حکمت فاحکم بینھم بالقسط (المائدہ:۴۲) کہ جب تو فیصلہ دے تو ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ فیصلہ دے وغیرہ۔

☆ اسلامی حکومت میں عدلیہ کی بنیاد اور اس کے اختیارات اسی " انصاف کے سامنے سب برابر" کے اصول پر مبنی ہونے چاہئیں۔ کتبِ حدیث میں عادل حاکم اور قاضی (جج) کی تعریف اور اس کے اجر کے متعلق۔ اور اس کے مقابلے پر ظالم اور جابر حاکم اور خائن و بے انصاف قاضی (جج) کی مذمت اور اس کی اخروی سزا کے بارے میں مستقل ابواب ہیں جن کے تفصیل کے لئے کئی صفحات درکار ہوں گے۔

(۱) ☆ اور "عدالتی معاملات" کے علاوہ بھی کسی شخص یا اشخاص کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتے وقت کوئی ' رائے دیتے وقت بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

☆ مسلمانوں کے دو متخاصم اور برسرپیکار گروہوں میں اول تو صلح کرانے

Marfat.com

کا--- ورنہ اہل حق کا ساتھ دیکر دوسرے فریق کو صلح پر مجبور کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اب اس "مجبوری" کی صلح میں بھی پائدار صلح اور دیرپا امن کی خاطر اس صلح کا عدل و قسط پر مبنی ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے! یہ پورا مضمون سورۃ الحجرات کی آیت نمبر۹ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور اس میں آخر پر کہا گیا ہے"فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا"--- یعنی ان کے درمیان صلح کراؤ عدل و قسط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے"۔

☆ قرآن کریم نے جہاں عدل قائم کرنے سے کام لینے کے احکام دیئے ہیں وہاں ان مقامات کی بھی نشان دہی کر دی ہے جہاں عدل اور قسط سے انحراف کے محرکات یا امکانات موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) یہ کہ عدل و قسط کے معاملات میں اپنے ذاتی مفادات یا اپنے عزیزوں (والدین اور اقارب) کے مفادات یا امیری غریبی کے طبقاتی جذبات کو آڑے نہ آنے دو۔ یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ یایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین۔ إن یکن غنیا أو فقیرا فالله اولی بهما ولا تتبعوا الهوی أن تعدلوا۔ وان تلو أو تعرضوا فان الله کان بما تعملون خبیرا(النساء: ۱۳۵) ہم نجوف طوالت اس کا ترجمہ چھوڑ رہے ویسے اس کا نفس مضمون اوپر بیان ہو چکا ہے۔

(۲) اور شاید اس قسم کے مفادات کو بھی آدمی انصاف کی خاطر نظر انداز کرے۔ مگر اس سے بھی مشکل مرحلہ یہ ہے کہ آدمی کو جس سے کوئی رنجش یا دشمنی ہو اس کے بارے میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں سے غافل نہ ہو۔ اس کے لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی--- واتقوا الله ان الله خبیر بما تعملون (المائدہ:۵) کسی گروہ کی دشمنی تم

Marfat.com

کے بے انصافی پر آمادہ نہ کرے۔ انصاف کرو یہ تقوی سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو اسے تمہارے اعمال کی خبر ہے۔

☆ اور اگر عدل بمعنی " اعتدال" پر "قائم ہونا" کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اسلام کے تمام عقائد اور احکام اعتدال اور توازن کی بہترین مثال پیش کرتے ہیں— مثلاً عقائد میں عقیدۂ توحید" انکارِ خدا" اور"شرک" (کئی خدا بنانا) کی افراط اور تفریط کے درمیان ایک نقطۂ عدل ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے آیت (النحل: ۹۰) میں عدل سے مراد ہی توحید لی ہے(۲۱)

اعمال اور تکالیف (احکامِ شریعت) میں بھی یہی اصولِ اعتدال کار فرما نظر آتا ہے۔ روح اور جسم میں سے کسی کی ضروریات کو نظرانداز نہیں کیا گیا بلکہ ہر معاملے میں "رعاية العدل والوسط" کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً اسلام میں نہ مطلقا اباحت ہے اور نہ منعِ طیبات ہے۔ دنیاوی خواہشات اور جسمانی لذائذ میں غرق ہونے سے روکا گیا ہے مگر دنیا بالکل ترک کرنے (رہبانیت) کا حکم بھی نہیں دیا گیا--- اقتصادیات میں فضول خرچی اور بخل کے درمیان راہ اعتدال اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے [یہ مضمون سورۃ الاسراء : ۲۹ اور الفرقان: ٦٧ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے مگر نجوف طوالت اس کی طرف صرف اسی اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔]

اور یہی وہ توازن و اعتدال کی راہ ہے جس کی بنا پر امت مسلمہ کو "امت وسط" کہا گیا ہے "وكذالك جعلناكم امة وسطا" (البقرہ: ۱۴۳)

☆ اللہ کے قانون تشریعی کی مانند اللہ کا قانون تکوینی بھی عدل و اعتدال پر مبنی ہے۔ اسی لئے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ" بالعدل قامت السموات والارض"(۲۲) کہ کائنات عدل کی بنا پر قائم ہے۔ کائنات کی طبیعی قوانین میں توازن و اعتدال پر سائنسدانوں کے انکشافات اور اعتراضات کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں رہے اور غالبًا ووضع الميزان (سورۃ الرحمٰن:۷) میں اسی حقیقت کی طرف

Marfat.com

اشارہ کیا گیا ہے۔

☆ اور جس طرح یہ کائنات (عالم تکوینی) ایک نظام عدل و اعتدال اور تناسب و توازن پر قائم ہے اسی طرح انسانی معاشرے میں اسلام کا تشریعی نظام عدل برپا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر معاشرے کی بیماریاں اور خرابیاں ختم نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اس کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اور کاروبارِ حکومت تو عدل کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ حضرت علیؓ کا مشہور قول ہے کہ "کفروشرک کے ساتھ حکومت برقرار رہنا ممکن ہے مگر عدل کے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا--- بلکہ علامہ طنطاوی (جوہری) نے تو افلاطون کی "جمہوریہ" کے حوالے سے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ "باہمی عدل و انصاف" کے بغیر تو چوروں کا ایک جتھا بھی نہیں چل سکتا۔ تو اقوام و امم اور اجتماع و معاشرہ کا کیا حال ہے؟ (۲۳)۔

☆ پس اس آیہ مبارکہ کی روشنی میں مسلم معاشروں کے اندر عدل اجتماعی کا ایک ایسا نظام نافذ کرنا ضروری ہے جس میں ہر فرد کے لئے حصول انصاف' حصول تعلیم اور حصول معاش کے یکساں مواقع میسر ہوں جس میں ہر قسم کے استحصال کے امکانات کا راستہ مسدود کر دیا جائے۔ عدل ہی حکومت کی بنیاد' معاشرے کی روح اور تہذیب و تمدن کی جان ہے(۲۴)۔

انسانی شخصیت کا حسن و کمال ہو یا انسانی معاشرے کا شرف و استحکام سب اسی قانونِ عدل اور توازن و اعتدال کے ساتھ وابستہ ہیں۔

۲- الاحسان

یہ دوسرا ضروری حکم ہے جو آیت میں دیا گیا ہے۔

لفظ احسان باب افعال کا مصدر ہے جو متعدی بنفسہ بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بصلہ ["با" (ب) یا الی کے ساتھ] بھی --- عربی افعال اور خصوصاً مصادر میں یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ بغیر "صلہ" کے آ رہے ہوں تو ان میں

Marfat.com

دونوں معنی [صلہ کے ساتھ والے اور صلہ کے بغیر والے]کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ مثلاً:

(۱) "احسان" بغیر صلہ کے "اتقان" کے معنوں پر آتا ہے یعنی "کوئی کام خوب اچھی طرح اور حسن و خوبی کے ساتھ کرنا "قرآن کریم میں یہ فعل ان معنوں میں کئی جگہ آیا ہے مثلاً "أحسن کل شیء خلقه (السجدہ : ۷) "إنه وربی أحسن مثوای (یوسف :۲۳)' اتبعوهم باحسان (التوبہ: ۱۰۰) وأداء الیه باحسان اور تسریح باحسان (البقرۃ: ۱۷۸' ۲۲۹) وغیرہ ـــــ ان سب مقامات پر لفظ احسان "عمدہ طریقے پر" "اچھی طرح سے" کے معنوں میں ہی آیا ہے ـــــ

اور

(۲) جب یہ فعل احسان "با"(ب)یا "الی" کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنا"ـــــ اس طرح اس میں عدل سے بڑھ کر "ایثار" کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور ان ہی معنوں میں "والدین" کے ساتھ "احسان" کا حکم قرآنِ کریم میں پانچ جگہ آیا ہے [البقرہ:۸۳ ' النساء:۳۶' الانعام: ۱۵۱ ' الاسراء: ۲۳ اور الاحقاف: ۱۵) ـــــ اسلوب اور الفاظ کا فرق ہے مگر مفہوم ہر جگہ ایک ہی ہے]بلکہ سورۃ النساء کی آیت :۳۶ ' میں تو والدین کے ساتھ دوسرے قرابت داروں ' یتیموں' مسکینوں' پڑوسیوں ' مسافروں' ساتھیوں اور ماتحتوں کو بھی اس حکم احسان میں شامل کر لیا گیا ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔ واعبدوا اللّٰه ولا تشرکوا به شیئا ـــــوبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔ ان اللّٰه لا یحب من کان خوانا اثیما (النساء: ۳۶) اہل علم نے آیہ زیر مطالعہ میں لفظ "احسان" کے ان دونوں معنوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ ہم دونوں کا الگ الگ بیان کرتے ہیں: (یعنی احسان بمعنی اتقان ـــــ اور احسان بمعنی معروف۔

Marfat.com

(ا) احسان بمعنی اتقان [کسی کام کو بحسن و خوبی سر انجام دینا] کے لحاظ سے احسان کی وضاحت یوں کی گئی ہے:۔

i. الاحسان هو احسان الاعمال والعباده والاتيان على الوجه اللائق(۲۵) یعنی اعمال و عبادات بطریق احسن سرانجام دینا۔ محض خانہ پری پر اکتفا نہ کرنا۔

ii. الاحسان هوا داء الفرائض اعتيارا متعد يا بنفسه (۲۶) متعدی بنفسہ فعل سمجھتے ہوئے احسان کا مطلب اداء فرائض (بطریق احسن) ہے۔ اور اسی بناء پر امام رازی نے احسان سے مراد "الاخلاص فی التوحيد" یعنی خالص اور ستھری توحید مراد لی ہے(۲۷)[اور حدیث جبرائیلی کے الفاظ "أن تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك(۲۸) (یعنی احسان یہ ہے) کہ تو اللہ کی عبادت یوں کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ ورنہ یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے]کو بھی انہوں نے احسان کے ان ہی معنوں پر محمول کیا۔ یعنی "بلحاظ کیفیت وکمیت کمالِ حسنِ عبادت"۔ الاستغراق فی شهور مقامات العبودية والربوبية (۲۹) اور ابن العربی نے ان ہی معنوں کی وضاحت یوں کی ہے۔"مشاهدة الحق فی كل حال۔ واليقين بانه يراك فليس من الارب ان تعصی مولاك بحيث يراك"(۳۰) یعنی ہر حال میں حق کو نگاہ کے سامنے رکھے اور یقین ہو کہ مالک دیکھ رہا ہے تو پھر اس دیکھتے ہوئے کوئی نافرمانی کرنا تو شدید بے ادبی ہے"۔ اور اسی معنی کے لحاظ سے کہ جس عمل میں اتقان و احسان نہیں وہ عمل حسن نہیں ہے[من لم يحسن ولم يتقن عمله فليس عمله حسنا]۔ کی بناء پر بعض اہل علم نے بجا طور پر یہ کہا ہے کہ اس احسان (اپنے عمل میں خوبی پیدا کرنا) کا دائرہ پوری زندگی اور ہر شعبۂ حیات کو محیط ہے۔ لہٰذا احسان فی

Marfat.com

العبادات والطاعات اور احسان فی المعاملات کی طرح مسلمانوں کے لئے احسان فی الصناعات بھی اس میں شامل ہے(۳۱)۔

یہ حکم احسان مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی صنعت و حرفت' انڈسٹری اور ٹیکنالوجی میں بھی معیار کی بلندی (Quality) پر زور دیں۔ اپنی تعلیم گاہوں کو ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کریں اور تعلیم کو صحیح معنوں میں لیاقت پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ دفتری نظام کو مثالی طور پر بنایا جائے وغیرہ۔ الغرض ہر کام میں (Efficiency) اور حسن کارکردگی یقیناً اس آیۂ کریمہ کے حکم میں داخل ہے۔

(۲) اور احسان جب متعدی بصلہ ہو تو اس کے معنی کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

i. نکوئی درحقِ دیگراں ورفاہ مردم (۳۲).یعنی دوسروں کے حق میں بھلائی اور انسانوں کی بہبود

ii. ھو التفضل بان یقابل الخیر باکثر منه والشربأن یعفوعنه (۳۳) یہ مہربانی کا نام ہے یعنی بھلائی کے مقابلے پر اس سے زیادہ دینا مگر برائی معاف کر دینا۔

iii. ھو ان ینصف ولا ینتصف (۳۴) یعنی انصاف دے مگر انصاف لے نہیں۔ یعنی دوسرے کو پورا پورا حق دے مگر خود اپنے حق سے کم تر پر راضی ہو جائے۔

iv احسان یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر نیکی کرو اور جس نے تمہارے ساتھ برائی کی اس کے ساتھ بھی نیکی کرو (۳۵)۔

☆ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ احسان میں فیاضانہ برتاؤ' رواداری اور عالی ظرفی کے عناصر بھی شامل ہیں اور یہ عدل سے اونچا درجہ ہے اور اس کی اہمیت

Marfat.com

بھی اجتماعی زندگی میں عدل سے زیادہ ہے۔ بقول مودودی صاحب "عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا حسن اور کمال ہے۔ اور عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے" (۳۶)۔ جہاں اللہ تعالی نے عدل (بمعنی برابر کی برائی) کی اجازت دی ہے وہاں احسان کی تعریف ہے مثلاً "فمن عفا واصلح فاجره على الله (الشوریٰ : ۴۰)۔ اور ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الامور (الشوریٰ : ۴۳) اور ادفع بالتی هی احسن السیئة (المؤمنون: ۹۶) اور ایک حدیث میں یہ قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ۔ "الاحسان ان تحسن الی من اساء ك وليس الاحسان ان تحسن الی من احسن اليك (۳۷) یعنی احسان تو یہ ہے کہ برا سلوک کرنے والے کے ساتھ نیکی کرو۔ اچھے سلوک کا اچھا بدلہ تو کوئی احسان نہ ہوا۔ یہ چیز مراتب احسان میں سے سب سے اونچا درجہ ہے اور شاید اسی لئے امام فخرالدین رازی نے کہا ہے کہ احسان میں "التعظیم لامر الله" اور "الشفقة على خلق الله" دونوں ہی شامل ہیں(۳۸)۔

☆ اور ان ہر دو معنی [کام حسن و خوبی سے کرنا اور کسی سے حسن و سلوک کرنا]کے لحاظ سے قرآن کریم میں نہ صرف احسان کا حکم دیا گیا ہے بلکہ مختلف طریقوں سے اس کی فضیلت بیان کر کے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے مثلاً۔

(۱) سنزید المحسنین (البقرہ: ۵۸ اور الاعراف: ۱۶۱) ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔

(۲) ان رحمة الله قريب من المحسنين (الاعراف: ۵۶) (اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

(۳) ان الله لا يضيع اجر المحسنين (التوبہ : ۱۲۰ ' ھود : ۱۱۵ اور یوسف: ۹) (کہ یقیناً اللہ احسان کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں ہونے دے گا)۔

(۴) ان الله لمع المحسنين (العنکبوت : ۶۹) کہ محسنین کو اللہ کی معیت

Marfat.com

حاصل ہو گی۔

(۵) اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ "ان اللّٰہ یحب المحسنین" (آل عمران : ۱۳۴ ' ۱۴۵' البقرہ : ۱۹۵ ' المائدہ : ۱۳ ' ۹۵) یعنی بے شک اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے۔

☆ الغرض حسنِ عمل ' حسن کارکردگی ' خدمت خلق ' نفع رسانی ' رفاہ عامہ اور معاشرتی بہبود کا کوئی مثبت تصور اور عمل ایسا نہیں ہے جو اس لفظ "احسان" کے معنی میں شامل نہ ہوں اور بجا طور پر احسان کو "جامع لکل خیر (۳۹)" "سب بھلائیوں کا جامع" کہا گیا ہے۔ بلکہ قرآن کریم نے اس آیت (النحل : ۹) کے ذریعے احسان کی تمام قسموں کو مامور بہ کر کے ان کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے کیونکہ مسلمان "الشفقة علی خلق اللّٰہ" کا ہر کام "التعظیم لامراللّٰہ" کے جذبے اور نیت سے کرتا ہے۔ یہ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

۳: ایتاء ذی القربیٰ : یہ تیسرا حکم ہے جس کی پابندی اس آیت (النحل:۹۰) کی رو سے لازمی ہے۔ ایتاء ذی القربیٰ کے لفظی معنی ہیں۔ "قرابت والوں کو دینا"---- مفسرین عموماً اس کے دو مفہوم بیان کرتے ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

پہلا مفہوم

قرابت داروں کو ان کا حق دینا۔

(۱) اعطاء ذی القربی الحق الذی اوجبه اللّٰہ علیك (۴۰) یعنی قرابت داروں کو وہ حق دینا جو اللہ تعالی نے تجھ پر واجب ٹھہرایا ہے۔

(۲) هو اعطاء الاقارب حقهم (۴۱) یعنی رشتہ داروں کا ان کا حق دینا --- اور ان معنوں کی تائید قرآن کریم کی دو آیتوں سے ہوتی ہے جن کے الفاظ قریباً یکساں ہیں (۳) وات ذا القربی حقه (الاسراء:۲۶) اور فات

Marfat.com

ذا القربی حقه (الروم: ۳۸)- یعنی قرابت دار کو اس کا حق دو۔ اور اس لئے بھی کہ فعل "ایتاء" قرآن کریم میں صرف "دینا" سے زیادہ "ادا کرنا" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً اتوا الزکوۃ " یعنی زکوۃ ادا کرو ۔ گویا یہ ادائے واجب ہے ' عدل ہے کوئی احسان نہیں ہے۔

دوسرا مفہوم

اور ایتاء ذی القربی کے دوسرے معنی ہیں ۔ رشتہ داروں کی مالی (یا دیگر) امداد کرنا" ھو اعطاء الاقارب ما یحتاجون الیه" (۴۲) یعنی قرابت والوں کی ضرورت کے مطابق مدد کرنا ۔ یعنی قرابت والوں کے صرف قانونی حق ہی نہیں بلکہ جملہ اخلاقی ' معاشرتی اور تمدنی حقوق ادا کرنا احسان ہے۔ اور ان معنوں کی تائید۔ احسان کے بارے میں قرآنی آیات کے عموم کے علاوہ ان متعدد احادیث نبویہ سے ہوتی ہے جن میں صلہ رحمی پر زور دیا گیا ہے اور جن کے لئے کتب حدیث میں عموماً ایک مستقل " باب البروالصله " مختص ہوتا ہے اور جن کی تفصیل یہاں بخوف طوالت ممکن نہیں ہے ۔

☆ اور غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں مفہوم و معنی کے لحاظ سے " ایتاء ذی القربی" کا حکم تو "عدل" اور "احسان" میں بھی شامل ہے۔ آیت میں اس کا الگ حکم اس پر خصوصی توجہ دلانے کے لئے دیا گیا ہے۔" وخص ذی القربی لان حقوقهم او کدو صلتهم اوجب (۴۳) کہ قرابتداروں کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ان کے حقوق کی زیادہ تاکید ہے اور ان سے صلہ رحمی زیادہ لازمی ہے ۔

☆ اپنے پہلے مفہوم (یعنی اداء واجب اور اداء حق) کے لحاظ سے یہ حکم "ایتاء" اس لئے خصوصاً قابل توجہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اجتماعی زندگی میں جھگڑوں ' حق تلفیوں اور زیادتیوں کا آغاز اکثر قریبی رشتہ داروں کے درمیان ہوتا ہے ۔ سگے بھائی بہنوں کے جائیداد کے جھگڑے کوئی غیر معروف بات نہیں ہیں ۔ قرابت داروں کے معاملے میں عدل و انصاف سے کام لینا زیادہ توجہ طلب ہے اس لئے کہ

Marfat.com

یہاں احسان تو کجا عدل و انصاف سے بھی انحراف کے امکانات اور مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔

☆ اور اپنے دوسرے مفہوم (یعنی رشتہ داروں کی امداد) کے لحاظ سے یہ حکم "ایتاء" اس لئے اہم ہے کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آدمی اپنے قرابت داروں میں سے مستحق اور ضرورت مند لوگوں کا تعین بہتر اور یقینی طریقے سے کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ سب کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہوتا ہے اور حکم اس لئے بھی اہم ہے کہ خاندان اور برادری کے پہلو سے مساوات کی بنا پر بعض دفعہ ایک غریب آدمی اپنے امیر رشتہ دار کے معاشرتی اور معاشی امتیاز کو ہیچ سمجھتا ہے اور اس سے مالی امداد طلب کرنا بلکہ قبول کرنا بھی اپنی عزت نفس کے خلاف سمجھتا اور اس میں اپنی ہتک محسوس کرتا ہے ایسے مستحق اور متعفف افراد کی امداد کرنا جو امداد کے لئے سوال نہیں کرتے بہت نازک اور دشوار کام بھی ہے' مگر بہت بڑی نیکی بھی ہے(سورۃ البقرہ:۲۷۳میں یہی مضمون وضاحت سے بیان ہوا ہے)۔ اور اسی لئے اسلام میں سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں اور پھر پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا گیا ہے(تفصیل کے لئے سورۃ النساء: ۳۶ دیکھئے جو اسی مقالے میں اوپر بیان ہو چکی ہے) معاشرے میں احسان اور نفع رسانی کے فروغ کا فطری طریقہ ہی یہی ہے۔

☆ اور خیال رہے کہ کسی بھی مفہوم کے لحاظ سے " ایتاء ذی القربی " کے حکم کا تعلق محسوبیت یعنی خویش پروری اور اقربا نوازی (Nepotism) کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں آدمی اپنے رشتہ دار کو اس کا کوئی حق نہیں دے رہا ہوتا۔ بلکہ دوسرے کا حق چھین کر اسے دے دیتا ہے اور یہ سیدھا " منکر اور بغی " ہے جس کے قطعی حرام ہونے کا ذکر اسی آیت زیر مطالعہ کے اگلے حصے میں آرہا ہے۔

☆ یہاں مقالہ نگار بطور خاص حکومت پاکستان کی توجہ اس طرف دلانا اپنا

Marfat.com

فرض سمجھتا ہے کہ ہمارا ایک ملکی قانون ' ایتاء ذی القربی" کے اس قرآنی حکم خلاف ورزی کا باعث بن رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ زرعی ملکیت میں ایک خاص رقبہ (غالباً چھ ایکڑ) سے آگے مزید تقسیم کی مخالفت ہے ۔ معاشی نقطہ نظر سے یہ قانون یقیناً مفید ہے مگر چونکہ اس کے ساتھ فقہ اسلامی کا مسلمہ اصول تخارج شامل نہیں کیا گیا ۔ اس کی وجہ سے بیشمار زور آور کھاتہ دار اپنے کمزور رشتہ داروں کی حق تلفی کرتے ہیں اور کمزور کے پاس اس کا کوئی مداوا نہیں ۔ کیونکہ نہ تو وہ اپنا حصہ علیحدہ تقسیم کرا سکتا ہے اور نہ اسے الگ فروخت کر سکتا ہے ۔ اگر فقہ اسلامی کا اصول تخارج اس قانون کا جزء بنا دیا جائے تو اس حق تلفی اور استحصال کا (جو صریح منکر اور بغی ہے) سدباب ہو سکتا ہے ۔ غالباً اب تک کسی نے حکومت کی توجہ ادھر مبذول ہی نہیں کرائی ورنہ یہ کوئی مشکل علاج نہیں ہے۔

وینھی عن الفحشآء والمنکر والبغی

اب ہم اس آیہ مبارکہ کے دوسرے حصے کو لیتے ہیں ۔ جس میں تین مامورات اور واجبات کے مقابلے پر تین ہی منہیات اور ممنوعات کا ذکر ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ نے فرد اور معاشرے کو برباد کرنے والی تین خرابیوں سے منع فرمایا ہے یعنی الفحشاء ' المنکر اور البغی ۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔

الفحشاء :

عربی زبان میں فحش ' فاحشہ (جس کی جمع فواحش آتی ہے) اور فحشاء قرآنِ کریم میں بکثرت مستعمل ہوئے ہیں--- فحشاء (جو سراء اور ضراء کی طرح مصدر بمعنی اسم ہے) کے لفظی معنی ہیں۔ ہر وہ قول و فعل جس کا قبح (برائی) حد سے زیادہ ہو(۴۴) اور مفسرین نے ان ہی معنوں کو مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے۔

Marfat.com

(۱) ما عظم قبحه و مفسدته (۴۵) یعنی جس کا قبح اور فساد بہت زیادہ ہو۔

(۲) کل قبیح من قول اور فعل وغایته الزنا (۴۶) یعنی ہر انتہائی برا قول اور فعل اور اس کی انتہائی صورت زنا ہے۔

(۳) الفواحش ما جاوز حدود الله (۴۷) یعنی وہ تمام کام فواحش ہیں جن میں اللہ کی مقرر کردہ حدود سے صریح تجاوز ہو۔

(۴) الفحشاء ما یقصده الانسان فی نفسه من القبیح مما لا یظهره (۴۸) یعنی ہر وہ فعل قبیح جس کا انسان ارادہ کرتا ہے مگر اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

(۵) فحشاء سے مراد وہ تمام برائیاں ہیں جو مروت کو برباد کرتی اور بدنامی کا باعث بنتی ہیں(۴۹)۔

(۶) ان مختلف اقوال کی روشنی میں تمام بے ہودہ اور شرمناک افعال فحشاء میں شمار ہوتے ہیں اور اس لیے اس کا اردو ترجمہ "بے حیائی" اور "بے شرمی" کیا جاتا ہے [انگریزی مترجمین نے بھی اس کا ترجمہ عموماً (Shameful Deed) کیا ہے مثلاً یوسف علی اور اسد]۔ اور اس سے مراد زنا' بخل ' زبان درازی' دشنام طرازی ' تبرج اور برہنگی و عریانی وغیرہ لئے گئے ہیں۔ اور ان سب کے لئے جامع لفظ "بے حیائی" ہی زیادہ موزوں ہے۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں فاحشہ' فحشاء اور فواحش کے الفاظ زیادہ تر جنسی بے راہ روی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ [ہم بغرض اختصار صرف متعلقہ آیات کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً النساء: ۱۵' ۲۵' الاعراف: ۸۰' یوسف: ۲۴' النور: ۱۹' النحل: ۵۴ اور العنکبوت: ۲۸]بلکہ بہت سے مفسرین نے تو اس آیت (النحل: ۹۰) میں فحشاء سے مراد زنا ہی لیا ہے(۵۰)۔

☆ بہرحال تمام فواحش کا انسداد اور امتناع قرآن کریم کا ایک اہم موضوع ہے اور اس مقصد کی طرف کئی طریقوں سے توجہ دلائی گئی ہے مثلاً:

Marfat.com

(۱) شخصی اور انفرادی سطح پر قرآن کریم نے "فحشاء" سے بچنے کا ایک موثر ذریعہ نماز کو قرار دیا ہے۔ "ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (العنکبوت:۴۵)

(۲) قرآن کریم نے فواحش کے قریب بھی نہ پھٹکنے کا حکم دیا ہے۔ نہ علانیہ اور نہ چوری چھپے۔ فرمایا ! " ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن (الانعام:۱۵۲)

(۳) اسی طرح قرآن کریم میں فواحش کے علانیہ یہ خفیہ ارتکاب کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن (الاعراف:۳۳)

☆ ان قرآنی احکام کی روشنی میں (جو آیت زیر مطالعہ کی تائید اور وضاحت کرتے ہیں) بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کی طرف لے جانے والے ہر راستے کو بند کرنے کے لئے قانونی ' تعلیمی اور انتظامی اقدامات کرنا اور --- کم از کم --- ان چیزوں کی حوصلہ شکنی کرنا --- اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے--- اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ فحشاء ایک متعدی بیماری ہے ایک دفعہ شروع ہو جائے تو وبا کی سی تیزی سے پھیلتی ہے --- اور انسانی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ مٹنے والی قوموں کے آخری دن "فواحش کی بہار" کے دن ہوئے ہیں---" طاؤس و رباب آخر"۔

المنکر:

یہ لفظ باب افعال سے اسم مفعول ہے جس کے لفظی معنی ہیں۔

(۱) جس کا انکار کیا جائے یا جسے قبول نہ کیا جائے۔ اور

(۲) جس سے جان پہچان نہ ہو۔ اسی بناء پر مفسرین نے "منکر" کی تعریف اور وضاحت یوں کی ہے۔

(۱) ما تنکرہ العقول(۵۱) یعنی جسے عقل بھی برا کہے یعنی جسے عموماً سب لوگ برا جانتے یا ہمیشہ برا کہتے رہتے ہیں۔

(۲) کل ما انکرہ الشرع بالنہی (۵۲) یعنی جس کے بارے میں شریعت سے انکار اور منع ثابت ہو۔

(۳) مالا یعرف فی شریعۃ ولا سنۃ (۵۳) جس کی شریعت اور سنت میں کوئی پہچان نہ ہو یعنی اس کے جواز کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ملتا۔

(۴) جو کسی نبی کی شریعت میں جانا پہچانا نہ ہو۔ یعنی جس سے تمام شرائع الٰہیہ نے منع کیا ہو(۵۴)

(۵) مالا یوجب الحد فی الدنیا ولکن یوجب العذاب فی الآخرۃ (۵۵) - جس کی دنیا میں کوئی شرعی سزا مقرر نہ ہو مگر آخرت میں باعثِ عذاب ہو۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ منکر کے تعین میں شریعت نے بڑی حد تک اجتماعی عقل انسانی پر بھروسہ کیا ہے۔ یعنی تمام وہ کام جو ہر مذہب و ملت میں برے اور ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں وہ منکرات ہیں۔ البتہ شریعت کے عمومی احکام سے منکر کی پہچان اور تمیز میں رہنمائی ضرور ملتی ہے۔ اور اس معاملے میں شریعت کی بالا دستی تسلیم شدہ ہے۔ (یعنی بصورت اختلافِ عقل و شرع) اور اسی بنا پر اردو مترجمین نے منکر کا ترجمہ نامعقول کام "برائی" "ناشائستہ حرکت" "ناپسندیدہ کام' اور برے کام" کیا ہے--- جس میں عقل و شریعت کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

☆ قرآن کریم نے منکرات کی روک تھام کو:-

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی صفت کے طور پر بیان کیا ہے "وینہا ہم عن المنکر (الاعراف : ۱۵۷)

(۲) اہل ایمان (مسلمان) حکمرانوں کی ایک خصوصیت یا ان کے فریضہ کے طور پر ذکر کیا ہے یعنی ان کی دیگر صفات اور خصوصیات کے ساتھ

اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (تفصیل سورۃ الحج: ۴۱ میں ہے)۔

(۳) امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ' اہل ایمان کی خاص صفت اور ان کے فریضہ کے طور پر قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہے (مثلاً آل عمران : ۱۰۴' ۱۱۰' ۱۱۴) التوبہ: ۷۲' ۶۸ اور لقمان: ۱۷)

☆ اس کے برعکس منکرات اور برائیوں کو فروغ دینا منافقوں اور نام نہاد مسلمانوں کی خصوصیت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے--- ویأمرون بالمنکر (التوبہ:۶۷) یعنی وہ حکما برے کام کراتے ہیں یا اپنے اختیار و اقتدار سے منکرات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

معاشرے میں منکرات کی روک تھام سے غافل ہونا یہودیوں کی ایک خاص برائی بیان ہوئی ہے" کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ (المائدہ:۷۹) اور حدیث شریف میں تو اس فریضہ سے غفلت کی بنا پر پورے معاشرے کے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کی وعید آئی ہے۔

☆ منکرات کو فروغ دینے والوں کی کوششوں پر پانی پھرنا اور ان کے عزائم کو خاک میں ملانا۔

مسلمان عوام اور اسلامی حکومت کا فریضہ بھی ہے اور امتحان بھی ' اس سلسلے میں حدیث نبوی ہمیں پوری رہنمائی بہم پہنچاتی ہے کہ من رای منکم فلیغیرہ بیدہ. فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان [اس حدیث کو مسلم نے ابو سعید خدری سے مرفوعاً روایت کیا ہے] یعنی منکرات کا حسب استطاعت روکنا فریضہ ہے اور اس معاملے میں بے حسی تو عدم ایمان کی علامت ہے۔

۳— البغی:

یہ تیسری بنیادی خرابی ہے جس سے اللہ تعالی نے منع کیا ہے۔ "بغی" کے لفظی معنی تو "طلب" کے ہیں(۵۶) پھر اس میں "حد سے بڑھنے کی خواہش"

Marfat.com

اور کوشش یعنی عملاً حد سے تجاوز کرجانے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ مختار الصحاح میں ہے "کل مجاوزة و افراط علی المقدار الذی هو حدالشئ فهو البغی(۵۷)۔ یعنی کسی چیز کی مقررہ حد سے بڑھنا ہی "بغی" ہے ---اس لئے مفسرین نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

(۱) طلب التطاول بالظلم (۵۸) یعنی ظلم کے ساتھ توسیع پسندی

(۲) هو الکبر والظلم والحسد والتعدی وحقیقته تجاوز الحد (۵۹) یعنی اس کی اصل تو حد سے بڑھنا ہے اور اس سے مراد تکبر ' ظلم ' حسد اور زیادتی ہے۔

(۳) طبری ' طبرسی اور رازی نے یہاں (النحل: ۹۰ میں) مراد "الکبر والظلم" ہی لیا ہے(۶۰)۔

(۴) یہ لفظ (یعنی) قرآن میں حسد ' نافرمانی اور ظلم کے معنوں میں آیا ہے اور ان میں سے ہر ایک معنی کی تائید مختلف آیات سے ہوتی ہے۔ (۶۱)

(۵) هو الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیهم (۶۲) یعنی لوگوں پر مسلط ہونے اور زبردستی ان پر سرداری کرنے اور ان پر جبروتشدد کرنا بغی ہے۔

(۶) هو العدوان والاعتداء علی الناس بالقول او الفعل (۶۳) قول و فعل سے لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنا۔

(۷) الجوہری نے اسے فحشاء اور منکر کا مجموعہ قرار دیا ہے(۶۴)

☆ ان ہی اقوال کی روشنی میں اردو مترجمین نے بغی کا ترجمہ "تعدی" "سرکشی" "ظلم" اور "ظلم و زیادتی" کیا ہے ۔ اور یہ چیز آیت کے مامورات یعنی عدل ' احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کی ضد ہے اور ان کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ویسے تو عدل و احسان کے حکم میں ہی "بغی" کی حرمت سمجھی جا سکتی تھی۔ تاہم

Marfat.com

اللہ تعالی نے اس کا الگ ذکر بطور خاص توجہ اور تاکید کے لئے کیا ہے اور اس کو آخر پر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ باقی خرابیوں کا مجموعہ بھی ہے اور جڑ بھی--- ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس قول و فعل سے اجتناب کرے جس میں دوسروں پر "ظلم اور زیادتی" کا کوئی پہلو بھی پایا جاتا ہو۔ اور اسلامی حکومت کا یہ فریضہ اولین ہے کہ لوگوں کی جان ' مال اور آبرو کو ہر قسم کی تعدی اور ظلم سے بچائے۔

یعظکم لعلکم تذکرون:

آیہ کے یہ اختتامی کلمات (جن کا ترجمہ شروع میں دے دیا گیا تھا) بھی توجہ طلب ہیں۔ مامورات اور منہیات کا یہ بیان ایک حکم ہے اور اسی لئے ان میں "یأمر" اور "ینھی" کے واضح لفظ آئے ہیں۔ تاہم اس حکم کے ذریعے تم کو (اے مسلمانو) سمجھانا بھی مقصود ہے یعنی یہ "حکم برائے حکم" نہیں ہے بلکہ اس میں تمہاری ہی خیرخواہی مطلوب ہے۔ لہٰذا یہ امید کی جاتی ہے کہ تم اسے پلے باندھو گے اور ہر وقت یادرکھو گے۔ اور اپنی انفرادی زندگی میں بھی اور اپنی اجتماعی اور ملی زندگی میں بھی - قدم قدم پر اس سے راہنمائی حاصل کرتے رہو گے اور اس پر عمل پیرا رہو گے۔

☆ غور سے دیکھا جائے تو آیت کا اصل مرکز اور محور " نظامِ عدل و احسان" ہی ہے اس لئے کہ "ایتاء ذی القربیٰ" تو اسی عدل و احسان کے اتباع کی ہی ایک صورت ہے۔ اور فحشاء ' منکر اور بغی [بے حیائی ' برائی اور ظلم]عدل و احسان سے انحراف کی مختلف صورتیں ہیں۔

☆ فرد یا معاشرے کی سلامتی ' ترقی اور کمال آیت میں بیان کردہ مثبت عوامل کے فروغ اور منفی عوامل کے انسداد پر منحصر ہے --- ہمارا --- حکومت کا اور عوام کا---فرض ہے کہ عدل و احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کا مطلب سمجھیں اور ان پر مبنی قدروں کو فروغ دیں اور اسی طرح یہ بھی ہمارا --- سب کا ---

Marfat.com

ہر ایک کا--- فرض ہے کہ ہم فحشاء منکر اور بغی کو پہچانیں اور اس کی روک تھام کے لئے جدوجہد کریں۔

☆ یہی چیز ہمارے قرآن پر ایمان کی پختگی اور اس سے ہماری قلبی وابستگی کی صداقت کا ایک امتحان بھی ہے اور اس کی ایک علامت بھی --- اور پھر یہی چیز--- مامورات سہ گانہ کا نفاذ اور منہیات سہ گانہ کا انسداد--- ملک و ملت کی عاقبت اور افراد ملت کی آخرت کو خطرات سے محفوظ کرنے کی شرط بھی ہے اور تدبیر بھی۔

✿ ✿ ✿

Marfat.com

حوالے اور حواشی

نوٹ: آیات قرآنی کے تمام حوالے مقالہ کے اندر ہی موقع پر لکھ دئے گئے ہیں۔ جس میں سورت کا نام: آیت کا نمبر دیا گیا ہے۔

۱- یہ ترجمہ بھی کسی ایک مترجم کا نہیں ہے بلکہ چھ مختلف تراجم سے منتخب ہے۔ اس میں شیخ البندؒ۔ عاشق الٰہی میرٹھی ' احمد رضا خان ' فتح محمد جالندھری' ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور عبدالکریم پاریکھ میں سے ہر ایک کے ترجمہ کا ایک آدھ لفظ موجود ہے۔

۲- اس رائے کا اظہار مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے حاشیہ قرآن میں کیا ہے جو شیخ البندؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ (ص ۳۵۸ بجنور ایڈیشن) اور مصری مؤلف علی فکری نے اپنی کتاب "البیان الفاصل" میں صرف "عدل" پر ۱۱۳ صفحات (۱۲۳ تا ۲۳۵) اور ظلم و نفی پر ۱۶۰ صفحات (۲۳۶ تا ۳۹۶) میں بحث کی ہے۔

۳- الرازی ص ۱۰۰

۴- المیدی ص ۴۳۸

۵- مثلاً دیکھئے الطبری ص ۱۶۳' المیدی ص ۴۴۲ ' الطبرسی ص ۱۱۴' الالوسی ص ۱۸۷ ' القاسمی ص ۳۸۵۰ اور ابن العربی ص ۱۱۶۱

۶- تفصیل کے لئے دیکھئے المراغی ص ۱۳۰

۷- المیدی ص ۴۴۲' الطبرسی ص ۱۱۴ ' الرازی ص ۱۰۱ اور القاسمی ص ۳۸۵۱

۸- الرازی ص ۱۰۱

۹- تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۸۲ ' المراغی ص ۱۳۱ ' لآلوسی ص ۲۱۹' القاسمی ص ۳۸۵۰

۱۰- الزرکلی ج۱ ص ۳۴۴

۱۱- الزمخشری ص ۴۲۵ ' الرازی ص ۱۰۰' مغنیہ ص ۵۴۵ ' الادب المفرد ص ۳۸۹

۱۲- تفصیل کے لئے دیکھئے الطبری ص ۱۶۳' الرازی ص ۱۰۱ ' ابن العربی ص ۱۱۶۱

۱۳- مختار الصحاح تحت مادہ "عدل" نیز ابن العربی ص ۱۱۶۰

Marfat.com

۱۴- الجوہری ص ۱۶۶

۱۵- القاسمی ص ۳۸۵۰

۱۶- ابن العربی ص ۱۱۶۰

۱۷- الطبرسی ص ۱۱۴

۱۸- لآلوسی ص ۲۱۷

۱۹- فکری ص ۱۳۴

۲۰- المیدی ص ۴۳۸

۲۱- مثلاً الطبرسی ص ۱۶۳، ص ۱۱۴ ' الرازی ص ۱۰۱

۲۲- المفردات تحت مادہ "عدل" نیز الرازی ص ۱۰۱

۲۳- الجوہری ص ۱۷۱ ' ۱۷۲

۲۴- فکری ص ۱۳۴ ملخصاً

۲۵- لآلوسی ص ۲۱۷

۲۶- الطبرسی ص ۲۱۷ ' المیدی ص ۴۳۸

۲۷- الرازی ص ۱۰۱

۲۸- صحیحین کی مشہور حدیث جس میں جبرئیل کے انسانی شکل میں آنحضورؐ کے پاس آکر کچھ سوال کرنے اور آپؐ کے جواب دینے کا ذکر ہے۔ اس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ "احسان کیا ہے" جس کا جواب آنحضورؐ نے ان الفاظ میں دیا تھا (جو ابھی بیان کئے گئے ہیں) یہ خاصی لمبی حدیث ہے۔ مشکوۃ المصابیح کی کتاب "الایمان" کا افتتاح اس حدیث سے ہوا ہے۔

۲۹- الرازی ص ۱۰۴

۳۰- ابن العربی ص ۱۱۶۱

۳۱- تفصیل کے لئے دیکھئے الجوہری ص ۱۸۶-۱۸۷

۳۲- قاموس قرآن تحت مادہ "حسن"

۳۳- القاسمی ص ۳۸۵۱

۳۴- الطبرسی ص ۱۱۴ ' لآلوسی ص ۲۱۷

۳۵- المیدی ص ۴۳۹ ملخصاً

۳۶- تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۶۵

Marfat.com

۳۷- المراغی ص ۱۳۲ ' لآلوسی ص ۲۱۷ (تغلیم)

۳۸- الرازی ص ۱۰۴

۳۹- الطبرسی ص ۱۱۴

۴۰- الطبرسی ص ۱۶۳

۴۱- الطبرسی ص ۱۱۲

۴۲- القاسمی ص ۳۸۵۰ ' الجوہری ص ۱۶۶

۴۳- ابن العربی ص ۱۱۶۱ ' لآلوسی ص ۲۱۸

۴۴- الفردات ص ۳۷۴

۴۵- لآلوسی ص ۲۱۸

۴۶- ابن العربی ص ۱۱۶۱

۴۷- الزمخشری ص ۴۲۵

۴۸- الطبرسی ص ۱۱۴

۴۹- المیدی ص ۴۴۱ ملخصا

۵۰- مثلاً دیکھئے الطبری ص ۱۶۳' المیدی ص ۴۴۰' الرازی ص ۱۰۱ اور لآلوسی ص۲۱۸

۵۱- الزمخشری ص ۴۲۵ البغی شارحین کشاف کو اس میں "اعتزال" کی بو آئی ہے۔ تاہم بات اتنی غلط بھی نہیں ہے۔ بہرحال عقل کے ساتھ شرع بھی شامل کرنے سے بات مکمل ہو جاتی ہے۔

۵۲- ابن العربی ص ۱۱۶۱ ' القاسمی ص ۳۸۵۰

۵۳- الرازی ص ۱۰۲

۵۴- المیدی ص ۴۴۱ ملخصا

۵۵- لآلوسی ص ۲۱۸

۵۶- الزمخشری ص ۴۲۵

۵۷- مختار الصحاح تحت مادہ "بغی"

۵۸- الزمخشری ص ۴۲۵

۵۹- ابن العربی ص ۱۱۶۱

۶۰- الطبری ص ۱۶۴ ' الطبرسی ص ۱۱۴ اور الرازی ص ۱۰۲

۶۱- تفصیل کے لئے دیکھئے المیدی ص ۴۴۷

۶۲- لآلوی ص ۲۱۸

۶۳- مغنیہ ص ۵۴۵ نیز القاسمی ص ۳۸۵۰

۶۴- الجوہری ص ۱۶۶

نوٹ: مندرجہ بالا حواشی میں تکرار کی ذحمہ سے طوالت سے بچنے کے لئے مصادر و مراجع کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ذیل میں ابجدی ترتیب کے ساتھ مقالہ میں مذکور تمام حوالوں کے لئے ایک "مفتاح المراجع" دی جاتی ہے جس میں روایتی طریقے پر ہر مصدر اور مرجع کے بارے میں ضروری معلومات دی گئی ہیں۔ جس کتاب کا کوئی خاص جزء یہاں مذکور ہے حوالہ میں اسی کے صحات کا ذکر ہے۔

مفتاح المراجع

۱- الآلوسی. شهاب الدین محمود آلوسی - روح المعانی (جلد ۱۴-فقط). دار احیاء التراث العربی بیروت (سنه ندارد)

۲- ابن العربی - قاضی محمد بن عبدالله المعروف بابن العربی. احکام القرآن [قسم ثالث فقط]عیسی البابی القاهره ۱۳۷۷/۱۹۵۸.

۳- الجوهری - الشیخ الجوهری الطنطاوی. الجواهر فی تفسیر القرآن [جزء ۸ فقط]مصطفی البابی القاهره ۱۳۸۳/۱۹۶۳

۴- الادب المفرد - امام محمد بن اسماعیل البخاری. الادب المفرد. طبع وزارة عدل حکومت متحده عرب امارات ۱۴۰۷/۱۹۸۱

۵- الرازی. فخر الدین محمد بن عمر الرازی. مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر [جلد ۲۰ فقط]المطبعه البهیة القاهره ۱۳۵۷/۱۹۳۸

۶- الزرکلی. خیر الدین الزرکلی. الاعلام. الطبقه الثالثه. بیروت ۱۳۸۹/۱۹۶۹.

۷- الزمخشری - محمود بن عمر الزمخشری. الکشاف (تفسیر (جلد دوم فقط) مصطفی البابی. القاهره ۱۳۵۸/۱۹۶۶.

۸- الطبری. محمد بن جریر الطبری. جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر

[جلد ١٤ فقط]مصطفى البابى القاهره ١٣٧٣/١٩٥٤

٩- الطبرسى. الفضل بن الحسن الطبرسى. مجمع البيان (تفسير) [جزء ١٤ فقط]دار مكتبه الحياة بيروت ١٣٨٠/١٩٦١.

١٠- فكرى. على فكرى. البيان الفاصل بين الحق والباطل. مصطفى البابى. القاهره ١٣٦٨/١٩٤٩

١١- القاسمى. محمد جمال الدين القاسمى. محاسن التاويل [جلد ١٠ فقط]عيسى البابى القاهره ١٣٧٨/١٩٥٩

١٢- قاموس قرآن. سيد على اكبر قرشى. قاموس قرآن. دار الكتب الاسلاميه طهران (ايران) ١٣٦١

١٣- مختار الصحاح: الشيخ محمد بن ابى بكر الرازى. مختار الصحاح طبعه دار المعارف القاهره ب.ت

١٤- المراغى . احمد مصطفى المراغى . تفسير المراغى [جلد ١٤ فقط]مصطفى البابى القاهره ١٣٨٣/١٩٦٣.

١٥- مغنيه. محمد جواد مغنيه. التفسير الكاشف [جلد ٤ فقط]دار العلم للملايين بيروت ١٩٧٠.

١٦- المفردات. الحسينى بن محمد المعروف الراغب الاصفهانى . المفردات فى غريب القرآن. مصطفى البابى القاهره ١٣٨١/١٩٦١

١٧- الميبدى. رشيد الدين الميبدى. كشف الاسرار و دعوة الابرار (ج ٥ فقط) بسعى على اصغر حكمت طهران. ١٣٨٠ .

Marfat.com

Marfat.com

عشر کی اہمیت اور افادیت

اسلامی نظام حیات یا دین اسلام کا جہاں اپنا ایک نظام عقائد و افکار ' ایک نظام زہد و عبادت ' ایک نظام اخلاق و معاشرت ' ایک نظام تعلیم و تربیت اور ایک نظام سیاست و حکومت ہے وہاں اس کا اپنا نظام معیشت بھی ہے اور یہ سب " ذیلی نظام" اس مجموعی نظام حیات ' نظام مصطفیٰؐ یا دین اسلام کے اجزائے لا تجزی ہیں ۔ ان میں سے کسی جزء کو باقی اجزاء سے الگ کر دیا جائے تو نہ اس جزء کی اپنی افادیت برقرار رہتی ہے اور نہ باقی اجزاء کی ۔ اس لئے کہ پھر یہ نظام حیات ' یا دین ' ناقص اور ناتمام ہو کر رہ جاتا ہے ۔ نظام مصطفیٰ ایک مکمل اور مربوط نظام حیات ہے۔ اور اس کی پوری برکات اس کے مکمل اور پورے کا پورا نافذ ہونے پر ہی ظاہر ہوں گی۔ اسے جزوی طور پر نافذ کرنا تو درج ذیل آیت قرآنی کے مصداق ہو گا :

أفتؤمنون ببعض الكتب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منكم الاخزى فى الحيوة الدنيا و يوم القيمة يردون الى أشد العذاب(١)

(تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو ' سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جائیں سخت سے سخت عذاب میں)۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہر نسل اور ہر زمانے کے کچھ مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جو بعض دوسرے مسائل سے زیادہ نمایاں اور زیادہ توجہ طلب ہوتے ہیں یا کچھ ایسی خرابیاں ہوتی ہیں کہ انہیں باقی خرابیوں کا سبب بھی کہا جا سکتا ہے اور بعض دفعہ ان کا مجموعی نتیجہ بھی ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عصر حاضر میں

معیشت کی بات کرنا وقت کی بات معلوم ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح آج کا دور "معیشت کا دور" بلکہ نظامہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تندو تیز کر دیا ہے ۔ آج کی دنیا کے "ثقلین" میں سے ایک ۔ کمیونزم . کی ساری تگ و دو کا محور مارکس اور لینن کا تخلیق اور تعمیر کردہ ایک نظام معیشت ہی تو ہے ۔ کمیونزم کی تعلیمات اور اس کی مادی فتوحات سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں بھی عصر حاضر میں نام نہاد دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ روٹی ' کپڑا اور مکان ہی ہے اور انسانی معاشرہ کے تمام مسائل کا سبب اور حل بھی نظام معیشت اور صرف نظام معیشت ہی میں مضمر ہے اور وہ اپنے پسندیدہ نظام معیشت (کمیونزم) کو ہی تریاق سمجھے ہوئے ہیں ۔ چنانچہ دنیا کو اس غلط فہمی بلکہ مغالطہ سے نکالنے اور بچانے کے لئے نبوی نظام معیشت کی تفصیلات اور اس کی افادیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

اس ضمن میں یہ بات سب سے پہلے ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کمیونزم یا دیگر لادینی اور جاہلی نظامہائے حیات میں تمام ذیلی نظام یا شعبہ ہائے حیات مثلاً اخلاق ' معاشرت ' تعلیم ' سیاست وغیرہ سب نظام معیشت کے تابع یا اس پر مبنی ہوتے ہیں ۔ اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کے مطابق نظام معیشت کو اتنی بنیادی اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ نظام معیشت کو خود کچھ ایسی فکری ' اخلاقی اور روحانی بنیادیں درکار ہیں جو معیشت کے ڈھانچے کو قائم اور برقرار رکھ سکیں ۔ وہ معیشت جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے انسانیت کو دعوت دی اور جسے عملاً نافذ و قائم فرمایا ۔ اس معیشت اور اس کی کامیابی کا راز سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ' نبوی ترتیب کار اور لائحہ عمل کے مطابق ' افکار و کردار کی اصلاح

Marfat.com

کے بنیادی اصول مثلاً توحید ' رسالت ' آخرت ' تقوی ' عدل اور احسان وغیرہ کو اختیار کرنا ضروری ہے ۔

نبوی نظام معیشت کی بنیاد دو امور پر رکھی گئی ہے ۔ کسب حلال اور انفاق مال۔ اور قرآن و سنت میں ان ہی دو امور کی تفصیل پر اتنا مواد موجود ہے جو ایک مستقل تالیف کا محتاج ہے ۔ ظلم و اعتداء اور تطفیف و ربا کی حرمت ہو یا عدل و احسان اور زکوۃ و صدقات کا وجوب ۔ یہ تو اس کے صرف چند نمایاں خدوخال ہیں۔ عشر کا تعلق۔ نظام مصفطیٰ یا نبوی نظام معیشت کے اس دوسرے جزء ۔ انفاق مال سے ہے ۔

عشر کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کا دسواں (۱/۱۰) حصہ ۔ عشر زکوۃ ہی کی ایک صورت یا نوع ہے جو زمینی اور زرعی (کھیتوں ' باغات وغیرہ کی) پیداوار میں سے ادا کی جاتی ہے ۔ چونکہ اس کی شرح بالعموم کل پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) اور بعض صورتوں میں نصف العشر (بیسواں حصہ) مقرر ہے اس لئے زکوۃ کی اس قسم پر عشر کا لفظ اس طرح استعمال ہونے لگا گویا یہ زکوۃ کے علاوہ کوئی اور شے ہے مثلاً زکوۃ و عشر کی ترکیب ۔ حالانکہ عشر بھی زکوۃ کی دیگر اقسام کی طرح صدقات (واجبہ) میں ہی شامل ہے ۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حدیث و فقہ کی بہت سی کتابوں میں زکوۃ کے بیان کے ضمن میں عشر کے لئے کوئی الگ ذیلی عنوان بھی قائم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے احکام زکوۃ کے عمومی عنوان ۔ کتاب یا باب ۔ کے تحت ہی مذکور ہوتے ہیں اور بعض دفعہ اسے زکاۃ الغلات (۲) یا زکوۃ الحبوب والثمار(۳) سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔

تمام فقہاء و ائمہ کے نزدیک زکوۃ جس میں عشر بھی شامل ہے کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اس لئے کہ یہ بات نہ صرف قرآن کریم کی آیت: الذین ان مکناھم فی الارض أقاموا الصلاۃ وأتو الزکوۃ وأمروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (٤)۔(وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں

Marfat.com

ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے) میں بیان ہوئی ہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی سطح پر ہر قسم کی زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ اور رائج فرمایا اور اس کے نصاب اور شرح وغیرہ سے متعلق جزئی تفصیلات تک خود مہیا فرمائیں۔

عشر کی شرعی اہمیت کو سمجھنے کے لئے حسب ذیل امور کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

۱- زکوۃ کی فرضیت کے بارے میں قرآن و سنت اور اجماع صحابہ (خصوصاً) عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد اور فتنہ انکار زکوۃ کے ضمن میں ان کے موقف) سے جس قدر دلائل معلوم ہوتے ہیں ' اور جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے ' ان سب کا اطلاق عشر پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عشر زکوۃ ہی کی ایک قسم ہے۔

۲- زکوۃ کی دیگر اقسام (زکوۃ العین' زکوۃ الماشیہ یعنی سونا چاندی ' نقدی مال تجارت یا مویشی وغیرہ کی زکوۃ) کے مقابلے پر عشر (زرعی پیداوار پر زکوۃ) کو ایک خصوصی اہمیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کا ذکر اور حکم قرآن کریم میں خصوصاً الگ بھی بیان ہوا ہے۔ تمام مفسرین اور فقہاء کا صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال کی روشنی میں اس پر اتفاق ہے کہ آیت مبارکہ :

وهو الذى أنشأ جنت معروشات وغير معروشات والنخل والزرع مختلفاً أكله والزيتون والرمان متشابها وغير متشابه . كلوا من ثمره اذا أثمر و أتوا حقه يوم حصاده ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين(٥).

(اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کے مختلف ہیں ان کے پھل اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا

Marfat.com

جدا بھی ' کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لادیں اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو ' اور بے جا خرچ نہ کرو اسکو ' خوش نہیں آتے بے جا خرچ نہ کرو اس کو' خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے)۔

اس آیت میں خصوصاً اتوا حقه یوم حصاده (کہ تم کھیتی کے کٹنے ۔ یعنی فصل کی برداشت کے موقع پر اس کا حق ادا کرو) کے حکم میں بیان کردہ "حقہ" سے عشر (اور نصف عشر) یعنی زرعی پیداوار کی زکوۃ مراد ہے ۔ فصلوں اور اجناس کے اختلاف کے ساتھ اس " صدقہ زرعی " یعنی عشر کے وجوب یا استحباب کی بحث سے قطع نظر جو بات مذکورہ بالا آیت کریمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور جس سے کسی بھی مکتب فقہ کو اختلاف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کھیت اور زرعی پیداوار میں مستحقین کو ایک حق شرعی حاصل ہے ۔

۳- اسی طرح آیت کریمہ: " یا ایها الذین آمنوا أنفقوا من طیبت ما کسبتم و مما أخرجنا لکم من الأرض"(۲)۔

(اے ایمان والو: اپنی نیک کمائی سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو) میں بھی فرضیت عشر پر واضح دلیل موجود ہے۔

۴- عشر کے وجوب بلکہ اس کے نصاب اور شرح کے بارے میں فرامین نبویہ ۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ذیل امور سامنے آتے ہیں ۔

ا- فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریاً العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔

(جس زمین کو آسمان ' بارش یا چشموں نے سیراب کیا یا عثری ہو یعنی دریا سے سیراب ہوتی ہو ۔ یعنی بارانی اور سیلابی زمینوں کی پیداوار میں

Marfat.com

زکوۃ عشر (۱/۱۰) ہے اور جس زمین کی سیرابی کے لئے جانور پر پانی لاد کر لاتے ہوں ۔ یا جانور کے ذریعے کھینچا جاتا ہو تو اس کی پیداوار میں زکوۃ نصف عشر (۱/۲۰) ہو گی)۔

۲- عن موسی بن طلحه قال عندنا کتاب معاذ بن جبل عن النبی صلی الله علیه وسلم فیه : أن یأخذ الصدقة من الحنطة والشعیر والزبیب والتمر(یعنی موسی بن طلحہ کے پاس حضرت معاذ بن جبل کے نام آنحضرتؐ کا وہ فرمان موجود تھا جس میں ان کو گندم ' جو ' کشمش اور کھجور پر صدقہ (زکوۃ عشر) وصول کرنے کا حکم دیا گیا تھا)۔

۳- أخرج عبدالرزاق عن عمر بن عبدالعزیز و عن مجاهد و عن ابراهیم النخعی : فیما انبتت الارض من قلیل وکثیر العشر(عبدالرزاق نے اپنی مسند میں) عمر بن عبدالعزیز و مجاہد اور ابراھیم النخفی جیسے بزرگ تابعین سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ زمین سے جو کچھ پیداوار حاصل ہو اس میں عشر ہو گا۔(۷)

۴- فیما سقت الانهار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیة نصف العشر(دریائی یعنی سیلابی) اور بارانی زمینوں کی پیداوار پر عشر(۱/۱۰) اور رہٹ یا ڈول وغیرہ سے آبپاشی کی صورت میں نصف عشر (۱/۲۰) زکوۃ ہو گی)(۸)۔

۵- وفی روایة فیما سقت السماء والعیون او کان بعلا العشر فیما سقی بالسوانی أو النضح نصف العشر(یعنی بارش ' دریا اور چشموں سے سیراب ہونے والی یا جسے پانی کی ضرورت ہی نہ پڑے یعنی مدت تک " وتر" رکھنے والی زمین مثلاً کھجوروں کے باغات والی زمین ' ان سب پر زکوۃ عشر (۱/۱۰) ہو گی اور رہٹ یا ڈول وغیرہ مصنوعی ذرائع آبپاشی کی صورت میں نصف العشر (۱/۲۰) زکوۃ ہو گی)(۹)۔

Marfat.com

۵- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کی دیگر اقسام کی طرح زکوۃ الزروع (عشر) کے احکام صرف بیان ہی نہیں فرمائے بلکہ عملاً انہیں نافذ فرمایا۔ آپ نے صدقات کی وصولی کے لئے عامل مقرر فرمائے۔ جس میں عشر بھی شامل تھا۔ کتب سیرت و تاریخ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملین زکوۃ و صدقات کے ناموں کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً زیادہ تفصیل میں گئے بغیر ہم صرف اشارۃً ذکر کرتے ہیں کہ ابن ہشام نے سیرت میں ایسے آٹھ عمال و امراء کے نام دیئے ہیں اور جس جس علاقے کے لئے وہ مقرر کئے گئے تھے اس کا بھی ذکر کیا ہے (۱۰) کتاب المحبر میں ایسے سولہ (۱۶) آدمیوں اور ان سے متعلق علاقوں یا قبائل کے نام مذکور ہیں(۱۱)۔

۶- قرآن و سنت سے ثابت مذکورہ بالا دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ فرضیت عشر کے بارے میں تمام مکاتب فقہ متفق ہیں۔ اور ہر مسلک و مذہب کی کتب فقہ میں زکوۃ کے ضمن میں عشر کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں ' اختلاف ہے تو اطلاقی جزئیات میں ورنہ اصل فرضیت پر سب کا اتفاق ہے اور زرعی پیداوار میں سے گندم' جو' کشمش اور کھجور کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے تک تو سب متفق ہیں۔

۷- تمام اسلامی حکومتوں کے لئے محصول اراضی کی اس صورت کے احکام و قوانین جو مسلمانوں سے مختص ہیں ان کو غیر مسلموں سے وصول کئے جانے والے محصول اراضی سے الگ اور ممتاز کر کے بیان کیا گیا ہے اور متعدد و مختلف کتب الاموال اور کتب الخراج اس پر دال ہیں۔

۸- پاکستان میں نظام عشر کی اہمیت اس لحاظ سے کچھ اور بھی زیادہ ہے کہ یہاں برطانوی غلامی سے آزادی اور اسلامی قوانین کے سو ڈیڑھ سو سال تک معطل رہنے کے بعد پہلی مرتبہ نظام عشر کا اسلامی قانون نافذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات بیان کرنا بھی مناسب اور ضروری ہے کہ بعض اہل علم کی

رائے میں پاکستان میں عشر وصول کرنا ہی جائز نہیں ہے اس لئے کہ اسے مسلمان فاتحین نے بزور تلوار فتح کیا اور ایسے مفتوحہ علاقوں کی زمینیں عشری نہیں خراجی شمار ہوتی ہیں ۔ عشری زمینیں صرف وہ ہیں جن کے مالک شروع سے ہی مسلمان ہو گئے تھے یا جن علاقوں نے بخوشی اسلامی حکومت سے ابتداء میں ہی الحاق کر لیا تھا۔

اس بارے میں امام ابو حنیفہ کا موقف یا فتویٰ کتاب الاموال میں ابو عبید القاسم ابن سلام نے بیان کیا ہے: لافرق عنده بين ما كان من الارض صلحاً وبين ما كان عنوة . فاذا اسلموا جميعا ردت ارضهم كلها إلى العشر مثل باقى اراضى المسلمين وزالت عنها صفةُ الخراجية (۱۲) (یعنی ان کے نزدیک زمین یا علاقہ بصلح حاصل ہوا یا بزور تلوار اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ۔ جب ان زمینوں کے مالک سب مسلمان ہو گئے تو ان کی زمین بھی دوسرے مسلمانوں کی اراضی کی طرح عشری ہو جائیں گی اور ان کا خراجی ہونا باقی نہ رہے گا) بلکہ صاحب کتاب الاموال نے اس پر ایک بڑی وزنی دلیل یہ قائم کی ہے کہ : لأنهم حين أسلموا صاروا من اهل الزكوة فتصير ارضهم التى كانوا ' عليها عشريه (۱۳) (یعنی سیدھی سی بات ہے کہ جب وہ مسلمان ہو گئے تو وہ اصحاب زکوۃ میں سے ہو گئے یعنی ان پر زکوۃ واجب ہو گئی تو ان کی زمینیں بھی جن کے وہ مالک ہیں عشری ہو گئیں ۔ اس لئے کہ عشر بھی زکوۃ ہی تو ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ بلاد اسلامیہ میں جوں جوں آبادی کی اکثریت مسلمان ہوتی گئی عملاً ان کی زمینیں عشری ہی سمجھی گئیں ۔ اس لئے کہ جیسا کہ ابھی بیان ہوا اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ جس ملک یا علاقے کے باشندے برضا و رغبت خود ہی اسلام قبول کرلیں یا اسلامی حکومت سے الحاق قبول کر لیں تو ان کی زمینیں عشری ہوں گی خراجی نہیں ہوں گی ۔ حتی کہ اسلامی یا غیر اسلامی حکومتیں اگر اپنی طرف سے کوئی لگان (خراج) ' مالیہ آبیانہ وغیرہ بھی وصول کرتی تھیں تب

Marfat.com

بھی پابند شریعت مسلمان ہمیشہ اپنے طور پر اپنی زرعی پیداوار پر از خود عشر نکال کر مستحق لوگوں میں تقسیم کرتے چلے آئے ہیں۔

۹- برصغیر کی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے پر اگر کوئی اختلاف تھا بھی تو پاکستان کے قیام کے بعد کم از کم پاکستان کی حد تک تو صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ پاکستان کے عوام نے تو یہاں اسلام کے نفاذ کے لئے اپنی رضا و رغبت کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اس کی خاطر بڑی قربانیاں دی ہیں۔ پاکستان کی اراضی کو فوج کی مفتوحہ اراضی کہہ کر عشری کی بجائے خراجی قرار دینا فقہی بے بصیرتی کے علاوہ' کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔ اس سے کہنے والوں کی نہ صرف فقہ اسلامی سے ناواقفیت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ تحریک پاکستان کے مقاصد سے بھی لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔

۱۰- عشر کی شرعی اہمیت اور فرضیت کے علاوہ معاشرے کے لئے اس کی افادیت اور عوام کے لے اس کے فیوض و برکات کے کچھ پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہئیں۔ دنیا کے بیشتر ملکوں کی معیشت زرعی رہی ہے اس لئے زرعی محصولات ہمیشہ سے حکومت کی آمدنی کے ایک اہم مد رہے ہیں زرعی زمینوں پر لگان' مالیہ یا آبیانہ وغیرہ کے نام پر ہر حکومت کچھ نہ کچھ ٹیکس وصول کرتی ہے۔ زکوۃ جس میں عشر بھی شامل ہے کی نوعیت اور اغراض و مقاصد عام زرعی ٹیکسوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں تعبد (عبادت ہونے) کا پہلو موجود ہے۔ حکومتوں کے ٹیکسوں کو تو لوگ ناپسند بھی کرتے ہیں اور ان کی ادائیگی سے مختلف طریقوں پر راہ فرار بھی اختیار کرتے ہیں۔ مگر زکوۃ و عشر میں تو دینے والے کو الٹا یہ خطرہ بھی لگا رہتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں قبول بھی ہوا یا نہیں؟

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عام ٹیکسوں کی بجائے زکوۃ (اور عشر) کے مصارف مختص اور مقرر ہیں۔ غیر اسلامی حکومتوں بلکہ اسلامی حکومتوں کے عام ٹیکسوں اور زکوۃ میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ زکوۃ معاشرے کے مستحق افراد میں تقسیم کے لئے

Marfat.com

وصول کی جاتی ہے ۔ یہ امیروں سے لے کر غریبوں پر خرچ کیجاتی ہے اور اس کی یہی امتیازی خصوصیت اس حدیث شریف میں بیان ہوئی ہے کہ : تؤخذ من أغنیائھم و ترد الی فقرائھم (یہ ان؛کے امیروں سے لی جاتی ہے اور ان کے فقیروں کی طرف لوٹائی جاتی ہے) جب کہ "سرکاری ٹیکس " عموماً غریبوں سے وصول کر یک مراعات یافتہ افسروں اور حکومت کے بڑے لوگوں کو مختلف سہولتیں بہم پہنچانے پر صرف کئے جاتے ہیں۔

عشر ایک زرعی محصول ہے اور جن ممالک کی معیشت زرعی ہے وہاں اگر ایک زرعی محصول بھی (جیسے کہ عشرہے) عوام اور صرف غریب عوام کی ضروریات اور بہتری کے لئے مختص کر دیا جائے تو ہزاروں افراد کے لئے معاشی پریشانیوں سے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے ۔

پاکستان جیسے زرعی ملک میں اگر نظام عشر صحیح شرعی تقاضوں کے مطابق نافذ ہو جائے تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ کم از کم دیہات کی حد تک (جو بوقت ضرورت بھی راشننگ کے نظام سے متمتع نہیں ہو پاتے) روٹی اور بھوک کا مسئلہ تو سوفیصد حل ہو جائے گا ۔ کیونکہ عشر جنس کی صورت میں وصول کر کے مقامی مستحقین میں بصورت اجناس ہی تقسیم کردیا جائے جس طرح عہد رسالت میں کیا جاتا تھا تو ہر مستحق کنبہ کو اس کی سال بھر کی خوراک کی ضروریات سے بے فکر کیا جا سکتا ہے۔ جن اجناس میں عشر ادا کرنا واجب ہے اور اس میں گندم ' جو ' کشمش اور کھجور کی حد تک تو کسی بھی مکتب فکر میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ صرف ان میں عشر وصول کرنے کے علاوہ حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ ابلاغ عامہ کے ذرائع سے یہ کام لے اور اور علماء و خطیب حضرات کو بھی چاہیئے کہ وہ اس بات کی تعلیم اور تبلیغ پر زور دیں کہ زمیندار لوگ صرف اجناس خوردنی میں سے ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی رزعی پیداوار میں سے رضاکارنہ عشر نکالیں اور ان اشیاء سے محروم لوگوں کو خدا کی دی ہوئی ان زرعی نعمتوں میں اپنے ساتھ شریک کریں ۔ اگر وہ مستحق اور غریب

قرآن و سنت

چند مباحث

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب
لاہور، پاکستان

Marfat.com